بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کی عالمانہ و محققانہ و عارفانہ، مدلّل تفسیر

مسمّٰی بہ نام

الفیضان العظیم

فی تفسیر

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

تالیف

مفتی غلام سرور قادری ایم اے اسلامیات

ادارہ مرکزی مصباح القرآن رجسٹرڈ

جامعہ غوثیہ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

اللہ تعالیٰ کی تلاوت قرآن کریم سے پہلے جسکو پڑھنے کا حکم دیا جو ہر مسلمان کی زبان کا ورد ہے یعنی اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم کی عالمانہ و محققانہ و عارفانہ مدلل تفسیر
جس کا مطالعہ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والے اہل علم و دانش کے لئے ایمان افروز اور علم و عرفان کی ترقی کا موجب ہوگا

مسمّٰی بنام

مشہور

الفیضان العظیم

فی تفسیر

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

تالیف

العلامہ مفتی غلام سرور قادری ایم اے اسلامک لاء رکن مرکزی زکوٰۃ کونسل و مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان
پرنسپل جامعہ غوثیہ رضویہ ○ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور-۱۱ فون: ۸۷۲۳۲۰

بر ایماء صدق و صفا محب علم و علماء حضرت الحاج عبدالرشید قریشی چیف انجینیئر (ریٹائرڈ) ستارہ خدمت

حسب فرمائش

صدر دارالعلوم جامعہ غوثیہ ○ مین مارکیٹ گلبرگ ○ لاہور

مرکزی ادارہ مصباح القرآن (جامعہ غوثیہ)
مین مارکیٹ گلبرگ ○ لاہور ○ پاکستان

نام کتاب ——— الفیضان العظیم فی تفسیر " اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم "

تالیف ——— الشاہ مفتی غلام سرور قادری

طباعت ——— اوّل

سرورق ——— رئیس الکتابۃ منظور احمد انور

مطبع ——— عدنان جہانگیر پرنٹرز ۔ لاہور

بار ——— اوّل

سن ——— ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۸ء ماہ ربیع الاوّل شریف

تعاون ——— حضرت الحاج عبدالرشید قریشی ستارۂ خدمت ۔
سرپرست ادارہ ہذا ۔

ہدیہ ———

مقامِ اشاعت ——— دارالعلوم غوثیہ رضویہ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

ناشر ——— مرکزی ادارہ مصباح القرآن لاہور

مِلنے کا پتہ ——— مکتبہ مصباح القران (جامعہ غوثیہ)
مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

فہرست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

فرمانِ باری تعالیٰ

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (سورۃ النحل ۹۸)

تو جب تم قرآن پڑھو، تو اللہ کی پناہ مانگو شیطانِ مردود سے۔

تعمیلِ حکم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ؕ

(ترجمہ)

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے!

تعوذ و استعاذہ

واضح ہو کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" کے پڑھنے کے عمل کو "تعوذ و استعاذہ" کہتے ہیں۔ یہ عمل "تلاوتِ قرآنِ مجید" سے پہلے ہو یا کسی اور مقام و محل پر جس کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے، نہ صرف مستحب ہے بلکہ ایک مسلمان کیلئے خدا تعالیٰ کی پناہ کے حصول کا ذریعہ اور شیطانِ مردود کے شرور و وسوسوں سے تحفظ کا سببِ کارگر بھی ہے۔

تعوذ کی حکمت و فلسفہ

تعوذ کی حکمت و فلسفہ یہ ہے کہ تعوذ دراصل، اجازت طلب کرنا اور دروازہ کھٹکھٹانا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی بادشاہ کے دروازہ پر جاتا ہے تو اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوتا، اسی طرح جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کا ارادہ کرتا ہے تو وہ محبوبِ حقیقی اور بادشاہوں کے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس سے شرفِ ہمکلامی حاصل

کرنا چاہتا ہے تو اعوذ باللہ پڑھنا اس کے حضور شرفِ باریابی حاصل کرنے کی اجازت طلب
کرنا ہے علاوہ ازیں اسے اپنی زبان کو پاک کرنے کی بھی ضرورت ہے کیونکہ زبان کبھی
فضول و لایعنی قسم کی باتوں اور بہتان تراشیوں سے ناپاک ہو جاتی ہے۔ اہلِ معرفت
فرماتے ہیں کہ کلمۂ اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم "قرب حاصل کرنے والوں کا وسیلہ، خوف
والوں کا سہارا، گناہگاروں کی چوکھٹ، تباہ و برباد ہونیوالوں کا مرجع اور محبت والوں کے
لئے فرحت و انبساط کی جگہ ہے۔ اور یہ سورۂ نحل میں واقع خدا تعالیٰ کے حکم "فاذا قرأت
القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم" کی تعمیل ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان سے پناہ مانگنا شیطان سے ڈرنا ہے
اور یہ غیر اللہ سے ڈرنا ہے جو شانِ عبودیت کے خلاف ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ
ایمانی و دینی دشمن کو دشمن سمجھنا ہی محبتِ الٰہی کا ثبوت ہے اور غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی
طرف رجوع کرنا دراصل عبودیت کی تکمیل ہے نیز اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ استعاذہ
کریں اور اللہ کے حکم کی تعمیل اس کی فرمانبرداری کے سلسلے کی طرف ہی پیش رفت ہے،
نیز اس شخص سے خوف کرنا جو اللہ سے خوف نہیں کرتا اظہارِ عاجزی و اقرارِ کمزوری ہے،
اور اللہ تعالیٰ اپنے عاجز اور کمزور بندوں کے ساتھ ہے چنانچہ حدیثِ قدسی ہے کہ انا
عند المنکسرۃ قلوبھم۔ میں ٹوٹے دل والوں کے پاس ہوں۔ مغرور اور متکبروں کے ساتھ
نہیں لہٰذا التعوذ و استعاذہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی معیت میں دینا ہے چنانچہ بزرگوں کے
کلام میں ہے۔ اَخَافُ مِنَ اللہِ۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں یعنی اس کے عذاب و غضب
سے ڈرتا ہوں اور کہتے ہیں۔ اَخَافُ مِمَّنْ یَخَافُ اللہَ، کہ میں اس سے ڈرتا ہوں جو
اللہ سے ڈرتا ہے یعنی اس کی بد دعا سے اور کہتے ہیں وَاَخَافُ مِمَّنْ لَایَخَافُ
اللہ کہ میں اس سے ڈرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا یعنی اس کی بدکرداریوں سے

چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :۔

آدمی را دشمنِ پنہاں بسے ست

آدمیِ باحذر عاقل کسے ست

(مثنوی مولانا روم ۱۷۰ ص ۳)

یعنی آدمی کے خفیہ (ایمانی) دشمن بہت ہیں (گمراہ فرقوں والے جو ایک اہل حق کے مقابلہ میں بہتر ہیں) اور ان سے بچنے اور خوف کھانے والا عقل مند آدمی کوئی ہوتا ہے۔

تعوذ کے پانچ اجزائے ترکیبیہ یا پانچ ارکان

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تعوذ و استعاذہ کے پانچ اجزائے ترکیبیہ ہیں جنہیں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۰۶ھ نے ارکانِ استعاذہ کا نام دیا ہے مگر ہم دوسرے آسان الفاظ میں ان کو اجزائے ترکیبیہ کا نام بھی دے سکتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تعوذ اس وقت تک کامل و مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ یہ پانچ چیزیں نہ ہوں۔

۱۔ تعوذ یا استعاذہ (پناہ مانگنا یعنی عمل یا فعل)

۲۔ مستعیذ (استعاذہ کرنے والا یا پناہ مانگنے والا یعنی عامل یا فاعل)

۳۔ مستعاذ بہ (جس کی پناہ مانگی جائے یا جو پناہ مانگنے والے کی پناہ کا مرجع ہو)

۴۔ مستعاذ منہ (جس سے یا جس کے شر سے پناہ مانگی جائے)

۵۔ سبب الاستعاذہ (جن کی وجہ سے بندہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے)

صاحب تسمیۃ القرآن کی غلط فہمی

اس پانچویں رکن کے سمجھنے میں صاحب تسمیۃ القرآن کو غلط فہمی لگی ہے چنانچہ وہ اسے اپنی کتاب "تسمیۃ القرآن" میں لکھتے ہیں :۔

"۵- اجل الاستعاذۃ - اس سے مراد استعاذہ کی حکمت اور غرض وغایت ہے جس کی خاطر خدا کی پناہ طلب کی جاتی ہے یعنی شیطان کا وہ خاص شر جس سے محفوظ و مامون ہونے کے لیئے استعاذہ کیا جاتا ہے"۔ (تسمیۃ القرآن. ص۳۷)

جناب صاحب نے اصل میں فخر الدین علیہ الرحمۃ کی تفسیر کبیر کو دیکھ کر اپنے فہم ناقص کی روشنی میں اسے نقل کر ڈالا اور غلطی کے مرتکب ہوئے۔ ایک غلطی یہ کی کہ پانچویں نمبر کا عنوان "اجل الاستعاذہ" کر دیا۔ کیونکہ امام رازی علیہ الرحمۃ کی عبارت میں یہی لفظ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو!

"والشئ الذی لاجلہ تحصل الاستعاذۃ"۔ وہ شئ جسکی وجہ سے استعاذہ حاصل ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر ۱؍۷۰ ص ۶۴)

اس عبارت میں لفظ "لاجلہ" سے انہوں نے شروع کے لام اور آخر کی ہا ضمیر کو الگ کر ڈالا اور بیچ میں سے "اجل" لے کر اسی کو پانچویں رکن کا عنوان بنا دیا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اور یہ نہ سمجھے کہ اس میں "اجل" سبب کے معنی دے رہا ہے اور اس لئے "لاجلہ" کی لام کو لامِ اجلیہ یعنی لام سببیہ کہتے ہیں مگر موصوف نے اپنی ناسمجھی سے اسکو حکمت کے معنی میں کر ڈالا۔ اسی طرح "من" کے ساتھ بھی لفظ "اجل" استعمال ہوکر اسے "من" اجلیہ یا مِن سببیہ بنا ڈالتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ (المائدہ ۳۲) یعنی اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا (ترجمہ اعلحضرت علیہ الرحمۃ)۔ اگر وہ عربی گرامر سے واقفیت رکھتے ہوتے تو وہ اس "اجل" کے معنی "حکمت اور غرض وغائت اور شیطان کے خاص شر" کے کبھی نہ کرتے۔ شعور والے شعور سے کام لے کر سوچیں کہ اگر اس پانچویں رکن سے مراد بھی شیطان کا شر لیا جائے تو پھر چوتھے رکن میں اور پانچویں رکن میں فرق کیا ہوگا؟ کیونکہ چوتھے رکن سے مراد بھی شیطان کا شر ہے۔

قارئین! اصل میں پانچویں رکن کا صاف صاف مطلب "سبب الاستعاذہ" ہے یعنی وہ سبب جس کی بناء پر بندہ خدا تعالیٰ سے استعاذہ کرتا ہے اور اللہ کی پناہ مانگتا ہے بس پانچویں رکن میں اسی کا بیان ہوگا۔

(۱) استعاذہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے۔

مصنفِ "تسمیۃ القرآن" کی ایک اور غلط فہمی

مصنفِ "تسمیۃ القرآن" لکھتے ہیں۔ "اَعُوْذُ، عَاذَ یَعُوْذُ سے متکلم کا صیغہ ہے۔" (تسمیۃ القرآن صفحہ ۱۸) جناب صاحب کا "اَعُوْذُ" کو "عَاذَ یَعُوْذُ" سے متکلم کا صیغہ قرار دینا، متلاشیانِ علم کو مغالطہ میں ڈالنے کے برابر ہے۔ اور یہ نہ صرف فحش غلطی ہے بلکہ عربی گرامر سے جاہلیت کا مظاہرہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ "عَاذَ" فعل ماضی کا صیغہ یعنی (PAST TENS) ہے اس کا متکلم الگ آتا ہے۔ اور "یَعُوْذُ" فعل مضارع کا صیغہ (PRESENT TENS) ہے اس کا متکلم الگ آتا ہے۔ فعل ماضی "عَاذَ" کا واحد متکلم "عُذْتُ" اور فعل مضارع "یَعُوْذُ" کا "اَعُوْذُ" آتا ہے تو "اَعُوْذُ" صرف "یَعُوْذُ" کا واحد متکلم ہے نہ کہ "عَاذَ" کا بھی۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا "عَاذَ" کا واحد متکلم "عُذْتُ" ہے۔

"اَعُوْذُ" کے معانی

"اَعُوْذُ"، "عَوْذٌ" سے ماخوذ ہے اور "عَوْذٌ" کے دو معنی ہیں، ایک "پناہ مانگنا" اور دوسرے معنی "ملنے" کے ہیں۔ چنانچہ محاورۂ عرب میں کہا جاتا ہے کہ "اَطْیَبُ اللَّحْمِ عُوَّذُہٗ" یعنی بہترین گوشت ہڈی کے ساتھ لگا ہوا یا ملا ہوا گوشت ہے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ" کے معنی ہوں گے "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، یعنی اس کی رحمت اور اس کے بچاؤ کی پناہ کا طالب ہوں اور دوسرے معنی کے اعتبار سے

"اَعُوذُ باللہ" کے معنی ہوں گے "میں اپنے آپ کو، اپنے نفس کو یا اپنی ذات کو، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ لگاتا ہوں اور ملاتا ہوں شیطان مردود کے شر سے بچنے کو"۔ اس لحاظ سے تقدیر عبارت یوں ہوگی "اَلْتَصِقُ نَفْسِیْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَ بِرَحْمَتِہٖ (کَیْ اَتَّقِیَ مِنْ شَرِّ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ) یعنی "میں اپنے نفس کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ ملاتا ہوں یا وابستہ کرتا ہوں (تاکہ میں شیطان مردود کے شر سے بچوں)۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۴)

عَوْذٌ کی طرح "عِیَاذٌ" اور "مَعَاذٌ" دونوں بھی مصدر ہیں۔ ان کا معنی بھی "پناہ مانگنا" ہے۔ یعنی "عَوْذٌ، عِیَاذٌ، مَعَاذٌ" تینوں مصدر ہیں اور ہم معنی ہیں، ان تینوں میں سے تیسرا مصدر یعنی "مَعَاذٌ"، قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سورۂ یوسف میں ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (سورۂ یوسف آیت ۲۳)
یوسف نے کہا، خدا کی پناہ بے شک وہ میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

یہی لفظ "مَعَاذَ" قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَہٗٓ (سورۂ یوسف آیت ۷۹)
اس نے کہا خدا کی پناہ کہ ہم کسی کو لیں سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا۔

قاعدہ:

عربی زبان کا قاعدہ ہے بلکہ یہ قاعدہ دوسری زبانوں میں بھی چلتا ہے کہ لفظ کی شکل و صورت کے بدلنے سے اس کے معنی کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔ دیکھیے یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف شکلوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور جوں جوں اس کی شکلیں مختلف ہوتی چلی گئیں، توں توں اس کے معنی کا انداز بھی بدلتا چلا گیا ہے۔ جبکہ ان تمام الفاظ کا مصدر یعنی مادہ واصل "عَوْذٌ" ہی ہے اس لئے اگرچہ

معنی کا انداز بدلتا گیا ہے تاہم ہر جگہ بنیادی معنی "پناہ" باقی رہا ہے۔ اب اس کی مختلف شکلیں جو قرآن میں آئی ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ سورۂ مؤمن میں ہے:

اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝ (سورۂ مومن آیت ۲۷)

بے شک میں نے پناہ لی اپنے اور تمہارے رب کی ہر متکبّر سے جو حساب کے دن پر یقین نہیں رکھتا۔

اس آیت میں "عُذْتُ" واحد متکلم فعل ماضی ہے جس کے معنی ہیں "میں نے پناہ لی" اور فعل مضارع متکلّم "اَعُوْذُ" کی شکل میں بھی آیا ہے:

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجَاھِلِیْنَ۔ (البقرۃ آیت ۶۷)

اس نے کہا میں اللہ کی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہوں۔

اور یہ لفظ "یَعُوْذُوْنَ" کی شکل میں بھی آیا ہے:

وَاَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ (الجن آیت ۶)

اور یہ کہ آدمیوں میں سے کچھ مرد، جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ لیتے تھے۔

اور یہ لفظ "اُعِیْذُ" کی شکل میں بھی آیا ہے (حضرت مریم کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ)

اِنِّیْ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ (آل عمران آیت ۳۶)

بے شک میں اس (مریم) کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

اور یہ لفظ "اِسْتَعِذْ" کی شکل میں بھی آیا ہے:

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ (اعراف ۲۰۰)

اور (اے سننے والے) اگر تجھے شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ

کی پناہ مانگو۔

دوسری جگہ بھی ایسے ہی آیا ہے:

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (النحل ۹۸)

تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو شیطان مردود سے۔

یہ "عوذ" مادہ کی کئی ایک شکلیں تھیں جو قرآن کریم میں استعمال ہوئی ہیں اور شکلوں کے مختلف ہونے سے معنیٰ بھی مختلف ہوتے چلے گئے اور اس کے انداز بھی بدلتے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ

یوں تو مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہی جاتی ہے مگر بعض صحابہ نے مصیبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ بھی لی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام نے کہنا شروع کیا "اللہ کی پناہ" انہوں نے ہاتھ نہ روکا، غلام نے کہا "اَعُوْذُ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ" رسول اللہ کی پناہ، فوراً چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، سے فرمایا، خدا کی قسم، بے شک اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تو غلام پر، انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان)

علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ یا دہائی سن کر حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، کے دل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت چھائی، ہاتھ روک لیا، چونکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ یا اس کی دہائی ایک معمول کی بات تھی اس لئے اِن کے دِل پر اس کا اثر نہ ہوا۔ انسان کا قاعدہ ہے کہ جس بات کا محاورہ کم ہو جاتا ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ یا آپ کی دہائی بعینہٖ اللہ تعالیٰ کی دہائی ہے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت سے پیدا ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی دینا شرک نہیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام سے فرماتے تو مشرک ہو گیا یا شرک کا مرتکب ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میری دہائی دیتا یا میری پناہ مانگتا ہے۔

(اللہ) محققین کا مذہب ہے کہ اسم جلالت یعنی لفظ "اللہ" مشتق نہیں ہے، یہ کسی لفظ سے نہیں بنا جیسے مسمّٰی یعنی ذات واجب تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں یوں ہی اس کے نام پاک کی حقیقت بھی ادراکِ انسانی میں نہیں آسکی علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ کی ذات وصفات کی حقیقت کے ادراک کرنے میں انسانی عقل حیرت میں ہے۔ ایسے ہی اس کے نام مبارک کے بارے میں بھی اہل علم کی عقلیں ورطۂ حیرت میں پڑی ہوئی ہیں کہ یہ مشتق ہے کسی اور لفظ سے بنا ہے یا نہ؟ اگر بنا ہے تو کس لفظ سے بنا ہے؟ یا یہ کسی سے بھی نہیں بنا؟ آج تک اسی حیرت میں پڑی چلی آرہی ہے متاخرین میں سے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں

المختار عندنا ان ھذا اللفظ اسم علم للہ تعالیٰ وانہ لیس بمشتق البتۃ وھو قول الخلیل وسیبویہ وقول اکثر الاصولیین والفقہاء۔

(تفسیر کبیر۔ ج ۱ ص ۱۵۶)

ترجمہ: ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ لفظ "اللہ" اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے، اور یہ ہرگز مشتق (کسی دوسرے کلمہ سے بنا ہوا) نہیں ہے۔ اور یہی امام خلیل وامام سیبویہ کا اور اکثر اصولیوں اور فقہاء کا قول ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا مذہب بھی یہی ہے کہ یہ نام مبارک غیر مشتق ہے یعنی کسی دوسرے کلمہ سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ یہ اس معبود برحق کا نام ہے جو واجب الوجود ہے (جس کا ہونا ضروری اور نہ ہونا محال ہے) اور جس کی ہر صفت صفت کمال

ہے، وہ ہر عیب و نقص سے قطعاً و یقیناً پاک ہے وہ اس سے پاک ہے کہ جھوٹ اور ظلم ایسی عیب و نقص کی کوئی بات اس کی صفت بن سکے۔

لفظِ "شیطان" کی بحث

لفظِ "شیطان" کے معنی میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ "شَاطَ یَشِیطُ شَیْطًا (اجوف یائی) سے مأخوذ ہو۔ اس کے معنی جلنے کے ہیں، خواہ ظاہری طور پر جلنا ہو چنانچہ محاورۂ عرب میں کہتے ہیں "شَاطَتِ الْقِدْرُ" ہانڈی جل گئی، یا معنوی اور باطنی لحاظ سے غصہ یا حسد کی آگ میں جلنا ہو، چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِذَا اسْتَشَاطَ السُّلْطَانُ تَسَلَّطَ الشَّیْطَانُ" (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۲۶) یعنی جب بادشاہ شدتِ غضب سے جل اٹھے تو اس پر شیطان غالب آ گیا۔ اور یہاں "غُصّہ" سے جلنا مراد ہے کیونکہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم اور ان کے مسجودِ ملائکہ ہونے سے شدتِ غضب اور شدتِ حسد سے جل اٹھا، لہٰذا وہ "شیطان" ٹھیرا۔ یعنی شدّتِ غضب و حسد کی آگ میں جلنے والا انسان نہیں شیطان ہے اور اس کے دوسرے معنی ہلاک ہونے کے ہیں، جیسا کہ امام ابو الفضل جمال الدین افریقی مصری لغوی علیہ الرحمۃ متوفی ۷۱۱ھ اس معنی کی تائید حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، کی حدیث میں وارد لفظ "شاط" سے لاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

اِنَّهٗ قَاتَلَ بِرَایَةِ رسول الله صلی الله علیه وسلم حتی شاط فی رِماح القوم۔	وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کے ساتھ قوم کفار سے لڑے حتی کہ قوم کے نیزوں میں ہلاک ہو گئے۔

یعنی شہید ہو گئے۔ اس حدیث میں "شاط" کے معنی "ہلاک ہوئے" کے آئے ہیں اس اعتبار سے شیطان کے معنی بہت سی ہلاکت میں واقع ہونے والے کے ہوئے

کیونکہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی، تکبّر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی تو نہایت ہی ہلاکت و بربادی میں جاگرا یعنی ایسے راستہ پر گامزن ہوگیا، جس کا انجام انتہائی ہلاکت و بربادی ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی دیدہ و دانستہ مخالفت، تکبّر، اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں سوء ادبی، ہلاکت خیز اور تباہ کن باتیں ہیں۔ ان سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے اور اپنے تعلق والوں کو بھی بچانا چاہیئے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا" کہ مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور "شیطان" "شَاطَ یشط" سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ شیطان نہ صرف خود ہلاکت کی وادی میں جا گرا ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ گرانے کی جدّوجہد میں لگا ہوا ہے۔ "شَيْطٌ" ہلاکت کے معنی میں خود حدیث شریف میں بھی آیا ہے "اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَفُتُوْنِهٖ وَشَيْطَاهُ وَشُجُوْنِهٖ" (اے اللہ!) میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطان کے شر، اس کی فتنہ انگیزی اور اس کی خواہشات سے۔

شیطان منصرف ہے یا غیر منصرف ہے؟

اور "شیطان" کا نام اس مادہ سے ماخوذ ہونے کی صورت میں غیر منصرف ہوگا۔ (لسان العرب، ج ۷، ص ۳۳۷ تا ۳۳۹) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "شیطان" "شَطَنَ" سے ماخوذ ہو اور "شَطَنَ" کے معنی "مضبوط اور لمبی رسی" کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے "شیطان" کو اس لئے شیطان کہتے ہیں کہ وہ گمراہی میں سخت اور مضبوط ہے اور اپنا انجام معلوم ہونے کے باوجود، نافرمانی سے باز نہیں آتا اور اپنی گمراہی کے سلسلے کو دراز کئے جا رہا ہے۔ اور اس کے معنی دور ہونے کے بھی ہیں۔ محاورۂ عرب میں کہتے ہیں کہ "شَطَنَ دَارُكَ" تمہارا گھر دور واقع ہوا، اس لئے ہر اس چیز کو شیطان کہتے ہیں جو راہِ راست سے دور ہو خواہ انسان ہو یا جن ہو چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ "وَكَذٰلِكَ

جَعَلْنَا لِکُلِّ نبی عدوًا شیاطینَ الانس والجن" اسمیں انسانوں میں سے بعض انسانوں کو شیطان اور دشمنِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرار دیا گیا اور انسانی شیطان کا پہلے اور جن کا ذکر بعد میں کرکے یہ بتانا مقصود ہے کہ کبھی انسانی شیطان، شیطان جن سے زیادہ گمراہ اور گمراہ کن واقع ہوتا ہے۔ اس لئے بدمذہبوں کی صحبت اور دوستی شیطانی وسوسوں سے کہیں بڑھکر ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدمذہبوں کی بیماریرسی کو نہ جاؤ، مرجائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ ان سے ابتداءِ سلام نہ کرو (مشکوٰۃ) یا وہ حیوان ہو۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کو ایک گھوڑے پر سوار کیا گیا تو وہ بدکنے اور اچھلنے لگا۔ آپ نے اسے مارا تو وہ اور بدکنے اور اچھلنے لگا، جوں جوں آپ اسے مارتے وہ اور زیادہ اچھلتا اور بدکتا چلا گیا۔ آپ نے فرمایا "تم نے مجھے شیطان پر سوار کر دیا" (تفسیر کبیر ج ۱۶ ا صفحہ ۱۶۴)

اَلْمُسْتَعَاذُبِہٖ

استعاذہ کا دُوسرا رکن یا دُوسرا جزائے ترکیب "مُسْتَعَاذُ بِہٖ" ہے۔ یعنی وہ ذات یا وہ چیز، شیطان کے شر سے جس کی پناہ لی جائے یا جس کی پناہ مانگی جائے۔

قرآن وحدیث میں "مستعاذ بہ" دوصورتوں میں وارد ہُوا ہے۔ ایک "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ" مَیں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں یعنی اس کی ذات کی، اور دوسرا "اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ" مَیں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس میں اس کے غضب و ناراضگی سے اس کی رضا و عفو کی پناہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے :-

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ غضبك واعوذ بك منك -

"یعنی اے اللہ! مَیں تیری رضا کی پناہ مانگتا ہوں تیری ناراضگی سے اور تیرے درگزر کی پناہ مانگتا ہوں تیرے غضب (عذاب) سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں تجھ سے یعنی تیری رحمت کی پناہ چاہتا ہوں تیرے قہر سے۔" (مفاتیح الغیب)

مشکوٰۃ میں صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت اقدس میں حاضر ہُوا اور عرض کی "اے اللہ کے رسول! گذشتہ رات بچھو کے ڈنک مارنے سے جو مجھے تکلیف پہنچی مَیں اسے بیان نہیں کرسکتا۔ یعنی بہت ہی تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا: سُنو! اگر شام کو تم نے یوں کہہ لیا ہوتا

"اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ" کہ مَیں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی پناہ مانگتا ہوں

توبچھو تمہیں نقصان نہ پہنچاتا۔ یعنی تم اس کے ڈنک سے محفوظ رہتے۔ (مشکوٰۃ صد ۱۳)

اللہ کے کلمات سے مُراد

سوال یہ ہے کہ اللہ کے کلمات سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے " کلمات " کلمہ کی جمع ہے اور علمائے نحو کے نزدیک کلمہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو ایک معنی پر دلالت کرے۔ لیکن اس کا اطلاق ایک سے زیادہ الفاظ پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کلام پر بھی کلمہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے کلمۂ طیبہ و کلمۂ شہادت، حالانکہ یہ دونوں کلمے ترکیب نحوی کی رُو سے کلام ہیں مگر ان پر کلمہ کا اطلاق ہو رہا ہے اور یہاں جن کلمات کی پناہ لی جا رہی ہے ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مراد ہے :-

انما قولنا لشئ اذا اردناہ ان	"جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی
نقول کُن فَیَکُونَ ؕ	ہوتا ہے کہ ہم کہیں " ہوجا " وہ فوراً
(سورۃ النحل ۴۰)	ہو جاتی ہے "

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی " کُن " سے ممکنات کے اندر اس کی قدرت کا اس طرح نافذ ہونا اور کائنات میں اس کی مشیت کا یوں جاری و ساری ہونا ہے کہ اس کے آگے نہ کسی طرح کا کوئی مانع ہوتا ہے اور نہ ہی حائل اور اس میں شک نہیں کہ استعاذہ اللہ کے ساتھ اس لئے لائق و مستحسن ہے کہ وہ ایسی قدرت رکھتا ہے جو سب پر غالب اور وہ ایسی مشیت والا ہے جو بہر صورت نافذ ہو کر رہتی ہے۔

نیز اللہ کے کلمات سے مراد علماء ربّانین و صلحاء کاملین کی ارواحِ طیبہ بھی ہو سکتی ہیں اور اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ جسمانیات و مادیات (جسم و مادہ والی چیزوں) کی نشوونما اس طرح سے ہوتی ہے کہ وہ بہ تدریج، وقفہ وقفہ کے ساتھ، تھوڑا تھوڑا کر کے اور آہستہ آہستہ طاقت و قوت پکڑتی ہیں یا دوسرے لفظوں میں انہیں قوت

سے فعل کی طرف آتے بہت مُدّت صَرف ہوتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ ان (مادہ و جسمانیت رکھنے والی چیزوں) کو چھوٹے پن سے بڑے پن تک پہنچنے میں ایک اچھا خاصا عرصہ لگتا ہے۔ لیکن روحانیات (مادہ و جسمانیت و کثافت سے منزہ و پاک چیزوں) کو کوئی دیر نہیں لگتی۔ ان کا نشوو نما پانا، قوت سے فعل کی طرف آنا اور چھوٹے پن سے بڑے پن تک پہنچنا کسی تدریج و وقفہ اور آہستگی کے بغیر ہوتا ہے بلکہ فوراً اور ایکدم ہوتا ہے۔ جب یہ بات اس طرح واضح اور مسلّم ہو گئی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانیات کا حدوث و ظہور جو قوت سے فعل کی طرف یکدم اور فوراً ہوتا ہے اس حرف کے مشابہ ٹھہرا جو ناقابلِ تقسیم لمحہ میں ہی وجود پذیر ہوتا ہے۔ پس ایسی مشابہت کی وجہ سے اس کی قدرت کے نفاذ کو کلمہ سے موسوم کیا گیا۔

اس تقریر کی روشنی میں یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ارواح میں وہ قوت و طاقت ہے جو اجسام و مادیات میں نہیں ہے۔ اسی لئے عالمِ ارواح، عالمِ اجسام پر غالب ہے۔ اسی بناء پر اہلِ معرفت ارواح کو اِس جہان کے امور کا مدبر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔

وانما ھی المدبرات لامور ھذا العالم کما قال تعالیٰ "فالمدبراتِ امرًا) فقوله (اعوذ بکلمات اللہ التامات) استعاذة من الارواح البشریة بالارواح العالیة المقدسة الطاھرة الطیبة فی دفع شرور الارواح الخبیثة الظلمانیة الکدرة فالمراد بکلمات اللہ التامات تلک الارواح	"اور ارواح ہی اس عالم کے امور کی کارساز ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "پھر قسم ہے اُن کی جو کام کی تدبیر و کارسازی کریں"۔ پس انسان کا کہنا "مَیں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی، عام آدمیوں کی روحوں کی طرف سے، طیب و طاہر، پاکیزہ اور بلندشان والی روح کے ساتھ پناہ مانگنا ہے، خبیث، کالی، گندی روحوں کے شرور کے دفع کرنے میں۔ پس اللہ کے

العالیة الطاهرة -	شرور کے دفع کرنے میں۔ پس اللہ کے کلماتِ کاملہ سے مراد وہی پاک بلند شان والی روحیں ہیں "
(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۷۲)	

امام رازی علیہ الرحمۃ کے اس ارشادِ گرامی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے کلماتِ کاملہ، جن کی بندہ پناہ مانگتا ہے سے مراد اہلِ کمال اور اہلِ معرفت اور صالحین و مقربینِ بارگاہِ قدس کی پاکیزہ و بلند شان والی روحیں بھی ہوسکتی ہیں اور وہ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں کہ جیسے کلمہ اپنے معنی پر دلالت کرتا اور اپنے معنی کا مظہر ہوتا ہے۔ یوں ہی علمائے ربانین وصلحائے کاملین کی روحیں بھی اللہ تعالےٰ کی شان پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی قدرت کا مظہر ہوتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو اپنا کلمہ فرمایا۔ جب کوئی عقیدت مند و متوسل خبیث اور گندی روحوں اور شیاطین کے شرّ و فساد کے دفع کرنے کے لئے کمالِ عقیدت اور بھرپور یقین کے ساتھ ان پاکیزہ روحوں کو امدادِ الٰہی اور نصرتِ الٰہی کا مظہر اعتقاد کرتے ہوئے ان کی پناہ مانگتا ہے تو وہ پاکیزہ روحیں کارسازی کا کرشمہ دکھاتے ہوئے خبیث روحوں اور شیاطین کے شر و فساد کو ان سے دفع کرتی ہیں۔ آگے چل کر امام رازیؒ مزید واضح کرکے لکھتے ہیں :-

ثم الارواح البشریة الخالیة عن العلائق الجسمانیة المشتاقة الی الاتصال العلوی بعد خروجها من ظلمة الاجساد تذهب الی عالم الملائکة ومنازل القدس (الی ان قال) ثم ان هذه الارواح الشریفة	"پھر ارواحِ بشریہ علائق جسمانیہ سے خالی عالمِ بالا سے جا ملنے کی مشتاق جسموں کی تاریکی سے نکلنے کے بعد فرشتوں کے جہان اور عالمِ قدس کی منزلوں کی طرف چلی جاتی ہیں، پھر یہ بات بعید نہیں کہ ان بزرگ، بلند شان والی روحوں میں وہ کمالات ہوں جن کی قوت و بزرگی کی وجہ سے ان

العالية لا يبعد ان يكون فيها	روحوں سے اس عالم (دنیا) کے حالات میں
ما يكون لقوتها وشرفها	کچھ آثار (کرامات) ظاہر ہوں۔ پس روحیں
يظهر منها آثار فی احوال هذا	(کلام الٰہی) فالمدبرات امرا" (سورہ نازعات)
العالم فهی (فالمدبرات	کی مصداق ہیں۔ کیا یہ بات نہیں کہ انسان کبھی
امرا) اليس الانسان قد يری	اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے اور
استاذه فی المنام ويسأله	اس سے کسی مشکل بات کے بارے میں پوچھتا
عن مشكلة فيرشده اليها	ہے تو وہ اس کی مشکل کے حل کی طرف راہنمائی
(الی ان قال) اليس ان	کرتا ہے (جس سے اس کی مشکل حل ہو جاتی
جالينوس قال كنت مريضا	ہے) کیا یہ بات نہیں کہ حکیم جالینوس نے
فعجزت عن علاج نفسی	کہا کہ میں بیمار تھا تو اپنے علاج سے عاجز
فرأيت فی المنام واحدا	آگیا تو خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے
ارشدنی الی كيفية العلاج۔	صحیح علاج کا طریقہ بتایا (جسے میں نے اختیار
(مفاتیح الغیب ج ۳۱ ص ۳۰-۳۱)	کیا تو مجھے شفاء ہو گئی)۔"

امام رازی علیہ الرحمۃ کی عبارت مندرجہ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بشری روحیں جو شریعت مطہرہ پر عمل کی برکت کے باعث جسمانی کثافتوں سے پاک ہو جاتی ہیں اور ان کا عالمِ بالا سے رابطہ قائم ہوتا ہے اور وہ عالمِ بالا سے جا ملنے کی مشتاق ہوتی ہیں۔ وہ جسمانی تاریکیوں سے نکل کر فرشتوں کے جہان اور قدس کی منزلوں میں چلی جاتی ہیں۔ ان میں عظمت و شرافت اور انوار کی جو قوت جلوہ گر ہوتی ہے اس کی وجہ سے اس جہان کے احوال میں ان روحوں سے آثار و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ پس وہ بہ اذنِ الٰہی عالم کی تدبیر و کارسازی کی خدمات انجام دیتی ہیں۔

مفتئ بغداد علامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ علیہ الرحمۃ نے

اپنی تفسیر روح المعانی میں آیت کریمہ "فالمدبرات امرا" کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

"حضرت ابن عباس ومجاہد رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس سے مراد فرشتے ہیں (پھر آگے چل کر فرماتے ہیں) حضرت امام سری رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس سے بزرگ روحیں مراد ہیں جب وہ اپنے بدنوں سے جدا ہوتی ہیں"۔

فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات اى ملحقة بالملائكة (الى ان قال) اذا تحيرتم فى الامور فاستعينوا من اصحاب القبور اى اصحاب النفوس الفاضلة المتوفين ولا شك فى انه يحصل لزائرهم مدد روحانى ببركتهم وكثيرا ماتنحل عقد الامور بانامل التوسل الى الله تعالىٰ بحرمتهم وحمله بعضهم على الاحياء منهم المتمثلين امر موتوا قبل ان تموتوا (الى ان قال) ان الله تعالىٰ قديكرم من شاء من اوليائه بعد الموت كما يكرمه قبله

"پس وہ اپنی بزرگی اور طاقت سے "مدبرات" سے ہو جاتی ہیں یعنی کارسانہ فرشتوں کے ساتھ مل جاتی ہیں (یہاں تک کہ یہ حدیث تو نہیں لیکن بڑے بزرگوں کا قول ہے کہ) جب تم کاموں میں حیران و پریشان ہونے لگو تو قبروں والوں سے مدد مانگو یعنی بزرگ روحوں والوں سے جو وفات پا چکے اور اس میں شک نہیں کہ ان بزرگوں کی برکت سے ان کی زیارت کرنے والوں کو روحانی مدد حاصل ہوتی ہے اور بسا اوقات ان بزرگوں کی برکت کے وسیلہ پکڑنے، ان کی حرمت وعزت کے طفیل مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور بعض مفسرین نے اس آیت کو ان میں سے ایسے زندہ بزرگوں پر محمول کیا ہے جو "مُوتُوا قَبلَ اَن تَمُوتُوا" (مرنے سے پہلے مر جاؤ) فرمان کے پیرو ہوتے بیشک

بما شاء فیبری سبحانه المریض و ینقذ الغریق وینصر علی العدو و ینزل الغیث وکیت وکیت کرامة له الخ

(تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۲۴، ۲۵)

اللہ تعالےٰ اپنے پسندیدہ اولیاء کی موت کے بعد عزت فرماتا ہے جیسا کہ موت سے پہلے (زندگی میں) جس چیز (کرامت) کے ساتھ چاہے عزت بخشے تو اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندے کی کرامت (وعزت کے اظہار) کے لئے (اس کے طفیل اور اس کی دعا سے) بیمار کو شفاء دیتا ہے اور ڈوبتے کو بچاتا ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں اہلِ اسلام کی مدد فرماتا ہے اور بارش نازل کرتا ہے اور ایسے اور ایسے (کام کرتا ہے)۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ کی تفسیر سے نہایت روشن طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے زندگی میں اور وصال کے بعد کارساز فرشتوں کی طرح لوگوں کی کارسازی فرماتے ہیں کہ ان کی جو عزت و کرامت اللہ کے ہاں ہے کی برکت سے اور ان کے انامل توسل (توسل کے پوروں) سے لوگوں کی مشکلیں حل ہوتی ہیں۔ انامل کے معنی انگلی کے پوروں کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ بزرگانِ دین، صالحین کرام اور مقبولانِ بارگاہِ رب العزت کے لئے یہ بات کوئی بعید نہیں اور نہ ہی مشکل ہے کہ وہ اپنے صحیح العقیدہ عقیدت مندوں، نیازکیشوں اور وابستگانِ دامن کی مصیبتیں دُور کریں، مشکلات حل فرمائیں اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کریں۔ ان کی دعاؤں سے اور ان کی برکتوں سے آسمان سے مینہ برستا ہے۔ مخلوقِ خدا کو ان سے نفع پہنچتا اور فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس میں اس بات کی شرط بھی نہیں کہ وہ حیاتِ ظاہرہ کے ساتھ دنیا میں موجود ہوں بلکہ وہ دنیا سے پردہ بھی فرما جائیں تب بھی ان کی مذکورہ برکتیں بدستور اہلِ ایمان کے لئے جاری و ساری رہتی ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۲۲۵ھ جنہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۲۴۰ھ اپنے زمانہ کا "امام بیہقی" فرمایا کرتے تھے، اپنی کتاب "تذکرۃ الموتی والقبور" میں لکھتے ہیں :-

"حق تعالےٰ درحق شہداء می فرماید"
بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ
اقول مراد شاید آں باشد کہ حق تعالےٰ
ارواح شاں را قوتِ اجساد می دہد
ہر جا کہ خواہند سیر کنند و ایں حکم مخصوص
بشہدا نیست انبیاء و صدیقان از شہداء
افضل اند و اولیاء ہم در حکم شہداء اند
کہ جہاد بانفس کردہ اند کہ جہادِ اکبر ست
"رجعنا من الجہاد الاصغر
الی الجہاد الاکبر" ازاں کنایت
ست ولہٰذا اولیاء اللہ گفتہ اند:
اَرْوَاحُنَا اَجْسَادُنَا اَجْسَادُنَا
اَرْوَاحُنَا" یعنی ارواح ما کارِ
اجسادے کنند و گاہی اجساد از غایتِ
لطافت برنگِ ارواح مے برآید و
می گویند کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
را سایہ نبود ارواح ایشاں در زمین و
آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند

"وہ اللہ تعالیٰ شہیدوں کے بارے میں فرماتا
ہے بلکہ وہ زندہ ہیں ان کے رب کے ہاں
انہیں کھلایا جاتا ہے۔" میں (قاضی ثناء اللہ)
کہتا ہوں کہ شاید اس سے مراد یہ ہوگا کہ
اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو جسم کی قوت عطا
فرماتا ہے وہ جہاں چاہیں سیر کریں اور
یہ حکم شہیدوں کے ساتھ مخصوص نہیں انبیاء
اور صدیقین شہیدوں سے افضل ہیں (لہٰذا
وہ بھی زندہ ہیں) اور اولیاء بھی شہیدوں
کے حکم میں ہیں کہ انہوں نے (شریعت کی
پیروی میں) نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے
جو جہادِ اکبر (سب سے بڑا جہاد) ہے۔
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان) "ہم
چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف
لوٹ آئے" اسی سے کنایہ (اسی کی طرف
اشارہ) ہے اور اسی لئے اولیاء اللہ نے
کہا ہے کہ "ہماری روحیں ہمارے جسم
ہیں، ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں"۔

و دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگاری مے فرمانید و دشمنان را ہلاک می نمایند و از ارواح ایشاں بطریق اویسیہ فیض باطنی می رسد و بسبب ہمیں حیات اجساد آنہا را در قبر خاک نمے خورد بلکہ کفن ہم می ماند ۔

(تذکرۃ الموتیٰ والقبور ص ۳۶، ۳۷)

یعنی ہماری روحیں جسم کا کام کرتی ہیں اور کبھی جسم انتہائی لطافت سے (نور باطن کے غلبہ کی حالت میں) ارواح کا رنگ اختیار کرلیتا ہے اور (اسی وجہ سے کہ جسم روح کا رنگ اختیار کرلیتا ہے) کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا (کہ ارواح کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ آپؐ کا جسم مبارک، روح مبارک کی طرح لطیف و نورانی تھا) اولیاء کرام کی روحیں زمین، آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی ہیں تشریف لے جاتی ہیں اور دوستوں اور عقیدت مندوں کی دُنیا اور آخرت میں مدد کرتی ہیں اور (اپنے پیروکار عقیدت مندوں کے) دشمنوں کو تباہ و برباد کردیتی ہیں جب وہ ان سے اس امر کی درخواست کریں) اور اویسی طریقہ کے مطابق ان کی روحوں سے باطنی فیض پہنچتا ہے اور اسی حیات کے سبب سے ان کے مبارک جسموں کو قبر میں مٹی نہیں کھاتی بلکہ اُن کا کفن تک باقی رہتا ہے ۔

غرضیکہ جیسا امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ" میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات سے اللہ کے کامل بندے بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیلی بحث گزر چکی اور باقی ائمہ تفاسیر بھی "فالمدبرات امرا" سے بندگانِ کاملین کو بھی مراد لیتے ہیں اور ان کی پناہ سے ان کی دُعا لینا اور ان سے استمداد و استعانت اور ان سے توسل ہے ظاہری زندگی میں اور ظاہری زندگی کے بعد بہر صورت ۔ یہی حضرت قاضی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر مظہری میں بھی فرماتے ہیں :-

وذهب جماعة من العلماء الى
ان هذه الحياة مختص
بالشهداء والحق عندی عدم
اختصاصها بهم بل حياة
الانبياء اقوى منهم و
اشد ظهورا آثارها فی الخارج
حتى لا يجوز النكاح بازواج
النبی صلى الله عليه وسلم بعد
وفاته بخلاف الشهيد و
الصديقون ايضًا اعلى درجة
من الشهداء والصالحون يعنی
الاولياء ملحقون بهم كما
يدل عليه الترتيب فی
قوله تعالى "من النبيين و
الصديقين والشهداء والصالحين"
ولذلك قالت الصوفية العلية
ارواحنا اجسادنا و اجسادنا
ارواحنا وقد تواتر عن
كثير من الاولياء انهم ينصرون
اولياءهم و يدمرون اعداءهم
ويهدون الى الله تعالے ا

"اور علماء میں سے ایک گروہ اس طرف
گیا ہے کہ یہ زندگی (جو مرنے کے بعد شہیدوں
کو حاصل ہے) شہیدوں کے لئے مخصوص
ہے اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ
یہ زندگی شہیدوں کے ساتھ مخصوص نہیں
ہے بلکہ انبیاء کی زندگی شہیدوں کی زندگی
سے زیادہ قوت والی ہے اور خارج میں
اس کے آثار سخت تر ہیں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے
ازواج مطہرات رض کے ساتھ نکاح جائز نہیں
شہیدوں کے برعکس اور صدیقین بھی
درجہ میں شہیدوں سے زیادہ بلند ہیں۔
اور صالحین یعنی اولیاء اللہ شہیدوں کے
ساتھ ملائے گئے ہیں جیسا کہ اس پر
اللہ تعالیٰ کا فرمان "اور نبیوں میں سے
صدیقوں، شہیدوں اور نیکوں میں سے"
اور یہی وجہ ہے کہ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہ
نے فرمایا "ہمارے ارواح ہمارے جسم
اور ہمارے جسم ہماری ارواح ہیں اور
اور بہت سے اولیاء کرام سے تواتر کے
ساتھ یہ مسلّم چلا آرہا ہے کہ وہ وفات

من یشاء اللہ تعالیٰ الخ کے بعد بھی جیسا کہ آگے کی عبارات اس کی تائید کرتی ہیں) اپنے دوستوں (محبت و عقیدت رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں) کی مدد کرتے ہیں اور اُن کے دشمنوں کو برباد و تباہ کر دیتے ہیں اور جسے خدا تعالیٰ چاہے اسے ہدایت دیتے یعنی راہِ راست پر لاتے ہیں۔" (التفسیر المظہری ج ۲ صہ ۱۵۲)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اس کے بعد اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ اولیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسامِ مقدسہ کو مٹی نہیں کھاتی اور وہ امام ابن مندہ کے حوالہ سے ایک حدیث بھی لائے ہیں کہ جس میں ہے کہ جب کوئی قرآن کا علم رکھنے والا (صحیح العقیدہ عالم دین) وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو ہدایت فرماتا ہے کہ اس کے جسم کو نہ کھائے۔ تو زمین عرض کرتی ہے کہ اے میرے پروردگار! مَیں اس کا گوشت کیسے کھا سکتی ہوں حالانکہ اس کے پیٹ میں تیرا کلام ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ کے کلام سے درج ذیل مسائل صراحت کے ساتھ معلوم ہو گئے :۔

۱ - انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں ۔

۲ - ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے بھی برتر اور بلند و بالا ہے ۔

صدیقین

۳ - انبیاء علیہم السلام کے بعد صدیقین کا مقام و مرتبہ ہے اور صدیق، صدق سے ماخوذ ہے جس کے معنی سچائی کے ہیں۔ صدیق وہ ہُوا جس نے اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی صدق دل سے تصدیق کی۔ اس پر ایمان لایا اور اخلاص و صدق کے ساتھ آپ کی تعلیمات و ہدایات پر جیسی کہ اس تک پہنچیں کسی کے طعن و تشنیع اور خوف و ملامت کا لحاظ کئے بغیر اس پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی حسب استطاعت تلقین کی اور اپنے ممکنہ وسائل اس کے لئے

اس طرح وقف کر دیئے کہ اپنی ذاتی اور گھریلو ضروریات کے مقابلہ میں دینِ حق کو فروغ دینے پر خرچ کرنے کو ہمیشہ ترجیح و فوقیت دی۔

سید الصدیقین علی الاطلاق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی اس حقیقت کا مُنہ بولتا ثبوت ہے۔ان کے بعد خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، سیدنا حسنینؓ کریمین کہ جنہوں نے اپنا مال اپنے آپ پر انتہائی قناعت کے ساتھ خرچ کیا لیکن دین کے لئے اسے ہمیشہ پانی کی طرح بہاتے اور بے دریغ خرچ کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں البدایہ والنہایہ میں ہے کہ جب علماءِ دین آپ سے ملنے جاتے تو آپ انہیں لاکھوں روپیہ ہدیہ و نذر کرتے تھے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ انہی علمائے دین کے دم قدم سے دین قائم ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو دین کے لئے ہمہ وقت وقف کر رکھا ہے اور یہ جہاں بھی خرچ کریں گے اس میں بلاواسطہ یا بالواسطہ دین ہی کی تقویت ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ اپنے زمانے کے صدیقین تھے اور صدیقین کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ آج بھی ایسے لوگ بحمدہٖ تعالیٰ موجود ہیں جن کے دم قدم اور عزم و ایثار سے دین کی بہار قائم ہے، صدیق بھی مرنے کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور اُن کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے اُونچے درجے کی ہوتی ہے۔

۴۔ قرآن کریم نے شہیدوں کے لئے جس زندگی کا تذکرہ کیا ہے وہ ان ظاہری شہیدوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ زندگی صحیح العقیدہ صالحین، دین کے سچے اور مخلص باعمل مسلمانوں کے لئے بھی ہے جنہوں نے اپنی خواہشات و ضروریات کے مقابلہ میں شریعت پر عمل اور دین کی ضرورت و خدمت کو ہمیشہ فوقیت دی۔ اپنے نفس کو شریعت کے تابع رکھا اور اسے شریعت پر عمل کی قوت سے کچل ڈالا۔ یہی اولیاء اللہ ہیں۔ یہ لوگ بھی زندۂ جاوید ہو گئے۔ ان کی موت کیا ہے؟ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جانے کا نام ہے۔

۵ - یہی اہل اللہ اور مقبولانِ بارگاہِ قدس ظاہری زندگی میں اور موت کے بعد اپنے عقیدت مندوں، پیروکاروں کی مدد کرتے، ان کے دشمنوں کو برباد کرتے اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں۔

اس لئے یہ بھی کلماتُ اللہ "اللہ تعالیٰ کے کلمات" ہیں اور "اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ" سے یہ نفوسِ قدسیہ مراد ہو سکتے ہیں ان کی پناہ خدا کی پناہ اور ان کی عنایت خدا تعالیٰ کی عنایت ہے۔ کیونکہ یہ صفاتِ الٰہیہ کے مظہر ہیں۔

مقاماتِ ثلاثہ

اہلِ معرفت کے تین درجے ہیں یعنی تین مقامات ہیں۔ ایک ابتدائی مقام ہے جہاں صاحبِ معرفت کی نظر خالق و مخلوق دونوں پر ہوتی ہے۔ اس مقام پر ہوتے ہوئے یا اس مقام کے مطابق کہا جاتا ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" یا "اعوذ باللّٰہ من شر الشریر" کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے شر سے یا ہر شریر کے شر سے۔

دوسرا مقام اس سے بلند ہے جہاں صاحبِ معرفت بحرِ توحید میں مستغرق ہوتا ہے۔ اور حقیقت بین نگاہوں سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کے سوا اسے کوئی ہستی وجودِ حقیقی ذاتی کے ساتھ موجود نظر نہیں آتی ہے اور اس کی مشیت و ارادہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہی ایک ہستی ہے اور سب کارسازی اسی ایک ہستی کی ہے تو وہ اللہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں مانگتا اور اس کے سوا کسی سے پناہ نہیں مانگتا۔ کیونکہ خیر ہو یا شر نیکی ہو یا بدی اور بھلائی ہو یا برائی سب اسی کی تخلیق ہے اور ہم اسی کی مخلوق اور ہمارے اعمال و افعال بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ اس کا اللہ ہی پر اعتماد اور اسی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کہتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں غیر کا تصور تک نہیں آنے پاتا اور اس کی زبان پر "اعوذ باللّٰہ من اللّٰہ" کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ناراضگی آتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

"اعوذ بِکَ منکَ" اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں تجھ سے۔

تیسرا مقام، مقامِ ارفع و اعلیٰ ہے یعنی سب سے اُونچا مقام و مرتبہ۔ اس مقام پر فائز حضرات کا ارشاد ہے کہ تعوذ میں دو چیزیں ہیں، ایک مطلوب اور دوسری ضروری الاجتناب۔ یعنی اس میں ایک ہستی کی پناہ مطلوب ہوتی ہے اور دوسری چیز کے شر سے اجتناب و تحفظ کی ضرورت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان مقامِ ارفع و اعلیٰ والے بزرگوں کے نزدیک (تعوذ میں) بھی غیر کا تصور ہے۔ لہٰذا یہ بھی غیر اللہ سے شغل و مشغولیت قرار پاتی ہے۔ یہ لوگ مقامِ فنا پر جلوہ گر ہونے کے بعد اس سے بھی ترقی کرتے ہوئے فنائے نفس سے بھی گزر جاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں خود اُن کی اپنی ہستی بھی متصور نہیں ہوتی جبکہ فناء کے لئے ہستی کا تصور لازم ہے۔ لہٰذا وہ "اعوذ باللہ" کے مقام سے گزر کر "بسم اللہ" کے انوار میں مستغرق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی زبان پر "بسم اللہ" ہی آتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات تعوذ کی جگہ تسمیہ (بسم اللہ) پر اکتفا فرما لیتے تھے۔ لیکن آپ کا تعوذ بھی صرف تعلیمِ اُمّت کے لئے تھا ورنہ آپ اس سے بلند و منزہ تھے کہ آپ کو شیطان کا بھی کوئی اندیشہ ہو جس سے آپ خدا تعالےٰ کی پناہ مانگنے پر مجبور ہوتے۔ کوئی مجبوری نہ تھی بلکہ اُمّت کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ کا حوالہ گزر چکا۔

اَلْمُسْتَعِیْذُ (پناہ مانگنے والا)

تعوذ یا استعاذہ کے اجزاء ترکیبیہ یا ارکان میں سے تیسرا جزءِ ترکیبی یا تیسرا رکن "اَلْمُسْتَعِیْذُ" ہے یعنی استعاذہ کرنے والا، پناہ مانگنے والا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استعاذہ کے عمل کے عامل یا اس فعل کے فاعل کو مستعیذ کہتے ہیں۔ جس کے بغیر استعاذہ عمل میں نہیں آسکتا۔ لہٰذا مستعیذ بھی استعاذہ کے اجزاء ترکیبیہ میں سے ایک اہم بلکہ سب سے اہم جز ہوا یا اہم رکن۔ اللہ تعالیٰ کا حکم فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ کہ اللہ کی پناہ مانگو اور اس کی تعمیل میں "اعوذ باللہ" (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) کہنے والا کوئی معین شخص نہیں یا یہ حکم کسی شخصِ معین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم عام ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے انبیاء و اولیاء اللہ کی پناہ مانگتے چلے آئے ہیں۔

تعوذ پر انعامِ الٰہی

اللہ تعالیٰ اپنے پناہ چاہنے والوں کو نہ صرف پناہ دیتا ہے بلکہ مزید انعام و اکرام سے بھی نوازتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:۔

رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ"۔

"یعنی اے میرے پروردگار میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں اس چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں"۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو دو خلعتوں سے نوازا یعنی دو انعام عطا فرمائے۔ ایک "سلامتی" اور دوسرا "برکتیں" یہ دو اہم انعام تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ"

اللہ تعالےٰ کی طرف سے انہیں فرمایا گیا کہ اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور تجھ پر برکتوں کے ساتھ (کشتی سے) اُتر جاؤ۔ (سورۂ ہود ۴۸) اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جب بی بی زلیخا نے پھسلانے کی کوشش کی اور چاہا کہ آپ اس کی خواہش پُوری کریں تو آپ نے فرمایا "معاذ اللہ" "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں (اس بات سے کہ یہ کام کروں) تو اللہ تعالیٰ نے انہیں (یوسف علیہ السلام کو) دو انعام عطا فرمائے۔ ایک یہ کہ اُن سے "سُوْء" کو اور دوسرے اُن سے "فُحْشَآء" کو پھیر دیا۔ یہ دو انعام عطا فرمائے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔ "لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْءَ وَالْفَحْشَآءَ" کہ ہم اس (یوسف علیہ السلام) سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ یعنی انہیں عصمت سے متصف فرمایا جس کے نتیجے میں وہ خیانت اور زنا جیسی قبیح حرکتوں سے بچ گئے۔ خیانت اور زنا سے بچنا دونوں ہی خدا تعالےٰ کی طرف سے بندے کے حق میں بڑے انعام ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے جب یہ فرمایا:۔ "اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ" کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبّر والے سے جو روزِ حساب پر یقین نہیں رکھتا۔" تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دو انعام عطا فرمائے۔ ایک یہ کہ اُن کے دشمنوں فرعونیوں کو ڈبو کر ہلاک کر دیا اور دوسرا یہ کہ انہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں کا وارث و مالک بنا دیا۔

حضرت بی بی مریم کی والدہ ماجدہ نے کہا "وَاِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" کہ (خدایا) اور بے شک میں اسے (مریم) کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود کے شرّ سے۔" تو اللہ تعالےٰ نے انہیں دو انعام عطا فرمائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

فَتَقَبَّلَهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا

"پس اللہ تعالیٰ نے اسے اچھی طرح سے قبول کر لیا اور اسے اچھی طرح سے پروان چڑھایا۔"

اچھی طرح قبول کرنا اور اچھی طرح پروان چڑھانا دو مختلف انعام ہیں جو استعاذہ کی برکت سے انہیں عطا ہوئے۔ اسی طرح کی اور بھی قرآنی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہمیشہ سے اللہ تعالےٰ کی پناہ مانگتے رہے ہیں شیطان مردود کے شر سے، بلکہ ہر شریر کے شر سے خواہ وہ انسان ہو یا جن۔

تعوّذ سے شیطان بھاگتا ہے

حدیث میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپس میں تلخ کلامی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اُن میں سے ایک صاحب کے چہرے سے غصّے کے آثار نمایاں ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

انی لاعلم کلمة لو قالها لذهب غضبه "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ" (صحیح ترمذی ج ۲ ص ۱۸۳)

(یعنی) بلاشبہ ضرور مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ اس کلمہ کو کہتا اس کا غصہ جاتا رہتا۔ یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔

مطلب یہ کہ اگر وہ جھگڑنے والے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھتے تو اُن کی تلخی دُور ہو جاتی۔ کیونکہ تلخی پیدا کرنے والا شیطان ہے جس کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں جھگڑے ہوں، بغض و عناد پھیلے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ شیطان تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈالنا چاہتا ہے۔ اس سے الحب للہ والبغض للہ یعنی اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھنا متثنیٰ ہے۔ کیونکہ یہ ایمان کا حصّہ ہے اور اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔

غرضیکہ جب دو مسلمانوں میں خدانخواستہ تلخی اور جھگڑا پیدا ہونے لگے تو دونوں کو فوراً بہ ایں نیت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا چاہیئے کہ اُن کے بیچ میں شیطان کُود پڑا ہے جو انہیں آپس میں لڑانا چاہتا ہے اور اسے تعوذ کے ذریعے

بھگائیں اور اس کے شر سے خدا کی پناہ چاہیں۔

غصّے میں عقل باقی نہیں رہتی

اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اس بات کو جانتا ہے کہ وہ اس جہان کے مصالح و مفاسد کا کماحقہ علم نہیں رکھتا بلکہ بہت ہی کم جانتا ہے۔ اسے اس جہان کے مصالح و مفاسد کا بہت ہی تھوڑا علم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا" کہ تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے اور اب وہ اس تھوڑے علم سے فائدہ تب اٹھا سکتا ہے جب وہ عقل کی فکر اور دماغ کی سوچ کو بھی اس عِلم قلیل (تھوڑے سے علم) کے ساتھ رکھے اور عقل و فکر سے مدد حاصل کرے۔ اور یہ بات مسلّم ہے کہ غصّے اور تلخی کے وقت عقل متاثر ہوتی ہے بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے یہاں تک کہ انتہائی غصّہ کے وقت عقل باقی ہی نہیں رہتی۔ اب اس حالت میں انسان جو کچھ کہے گا یا کرے گا وہ درست طریقہ پر نہ ہو گا اور جب اس حالت و کیفیت میں اسے یہ بات یاد آ جائے گی کہ غصّہ میں عقل باقی نہیں رہتی اور اس حالت میں کچھ کہنا یا کوئی قدم اُٹھانا نہ صرف یہ کہ درست نہ ہو گا بلکہ انتہائی غلط ہو گا تو وہ اس حالت میں کچھ کرنے اور کہنے سے باز آ جائے گا اور یہ بات بھی اُس کے ذہن میں ضرور آئے گی کہ وہ بھلائیوں کے حاصل کرنے اور برائیوں کے دفع کرنے میں اپنے خالق و مالک اللہ سبحانہ و تعالےٰ کی طرف رجوع کرے جو اس جہان کے مصالح و مفاسد اور خیر و شر کو پوری طرح جانتا ہے۔ اس عالم کی کوئی دقیق سے دقیق چیز اور مخفی سے مخفی بھید بھی اس کے علم سے باہر نہیں ہے تو وہ بے ساختہ بول اُٹھے گا "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْم" کہ مَیں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود کے شر سے۔ گویا وہ دُعا کر رہا ہے اور اپنے خالق و مالک کے حضور التجا کر رہا ہے کہ اے خدائے ذوالجلال! میرا علم ناقص، میرا فہم قاصر اور میرا ادراک عاجز ہے۔ اس عالم کے مصالح و مفاسد اس عالم کی نیکی و بدی اور اس کے خیر و شر

سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں بلکہ کچھ نہیں جانتا۔ تیرا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ مجھے ہر اس عالم کی بھلائیوں سے ہمکنار اور اس کی برائیوں سے دُور رہنے دے کہ میں تیری ہی پناہ میں آتا اور تیرے ہی دامن رحمت سے چمٹتا ہوں کہ تو ہی علیم و خبیر اور دانا و بصیر ہے۔

تعوذ، اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرنا ہے

اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تعوذ درحقیقت اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب دو شخصوں میں جھگڑا یا تلخی پیدا ہوتی ہے تو اُن میں سے ہر ایک کو یہ سوچنا چاہیئے کہ عموماً اس وقت انسان کو قطعی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حق پر ہے اور نہ ہی یہ بات قطعی طور پر اُسے معلوم ہوتی ہے کہ اس کا فریق (مدمقابل شخص) حق پر ہے۔ ایسی صورت میں یعنی جب قطعی طور پر اور بدیہی طریقے سے اور نہایت ہی روشن صورت میں کسی ایک کا حق پر ہونا واضح نہ ہو تو ایسی صورت میں انسان کو لڑنے جھگڑنے اور تلخی میں پڑنے کی بجائے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہیئے اور یہ سمجھ کر لینا چاہیئے کہ اگر حق میری طرف ہوگا یعنی میں حق پر ہوا اور میرا فریق حق پر نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ میرے فریق و مدِمقابل کے ساتھ میری طرف سے نمٹ لے گا اور میرا حق مجھے دلوائے گا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی عدل و انصاف والا ہے اور اگر حق میرے فریق و مدِمقابل کی طرف ہُوا یعنی وہ حق پر ہُوا تو پھر تو میرا اس جھگڑے سے دستبردار ہونا ہی ضروری ہے تاکہ میں ظلم و زیادتی کا مرتکب نہ ہوں۔ اور اس صورت میں انسان کو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیئے اور یہ کہہ کر کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ"، اس خصومت و کشمکش سے کنارہ کش ہو جانا چاہیئے۔

تعوذ، اللہ کی زیادہ قدرت کا اعتراف ہے

تعوذ، درحقیقت بندے کی طرف سے اس بات کا اعتراف

ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ قدرت وقوت والا ہے بلکہ اس بات کے یقین کا اظہار کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور بندہ عاجز وکمزور ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس وقت غصّہ میں آتا ہے جب اُسے یہ احساس ہو کہ وہ بہت ہی قوت وشدّت کا حامل ہے جس سے وہ اپنے فریق ومدّمقابل کو زیر کر کے رہے گا۔ اگر کسی وقت ایسا خیال پیدا ہو اور اس خیال کے ساتھ غصّے میں تیزی آنے لگے تو انسان کو اس وقت یہ بات کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیئے بلکہ یہ ذہن و عقل میں لائے بغیر نہیں رہنا چاہیئے کہ اس جہان کا خالق ومالک اللہ تعالیٰ مجھ سے کہیں زیادہ قوت وقدرت رکھتا ہے۔ پھر مَیں کئی بار یا بارہا اس کی نافرمانی کا مرتکب ہُوا ہوں اور قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اس نے اپنے فضل وکرم سے کام لیتے ہُوئے ہمیشہ مجھ سے درگزر فرمایا۔ لہٰذا مجھے بھی اس شخص سے جس پر مجھے غصّہ آرہا ہے اور جسے مَیں اپنے غیض وغضب کا نشانہ بنا سکتا ہوں ضرور درگزر کرنا چاہیئے تو جب انسان کی عقل میں یہ بات آئے گی تو وہ خصومت وجھگڑے کو چھوڑ دے گا اور کہے گا "اعوذ باللہ" ان تمام تفصیلات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے :-

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ	"بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں
طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا	کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار
فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝	ہو جاتے ہیں اسی وقت اُن کی آنکھیں
(سورۂ اعراف ۲۰۱)	کُھل جاتی ہیں۔"

یعنی بندہ جب ان اسرار ورموز کو اپنی عقل میں حاضر کرے گا تو اُسے راہِ راست دکھائی دے گا جس کے نتیجہ میں وہ جنگ وجدال، لڑائی، جھگڑے اور کشمکش کو کلیتہً چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر راضی ہو جائے گا۔

تعوذ سے مرتبہ شہادت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

"جس نے صبح کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہا اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں تلاوت کیں، اللہ تعالےٰ اُس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کر دے گا جو اُس کے لئے بخشش کی دُعا کریں گے یہاں تک کہ شام ہو، پھر اگر وہ اس روز مر گیا تو شہید مرا اور جس نے شام کو اسے پڑھا تو اسی درجے پر فائز ہو گیا"۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲۷)

اور یہ جو حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر کئے جائیں گے جو اس کے لئے دُعائے مغفرت کریں گے اور یہ کہ اگر اسی روز اس کا انتقال ہو گیا تو اُسے شہادت کا درجہ نصیب ہو گا عین قرینِ قیاس و عقل کے مطابق ہے۔ کیونکہ بندے کا "اعوذ باللہ" کہنا اپنی ذات کے کمالِ عجز اور اپنے انتہائی کمزور ہونے کا مشاہدہ و اعتراف ہے اور سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کے جلال و کمال کا مشاہدہ و اعتراف ہے اور بندے کو مقام عبودیت میں کمالِ حالی ان دو مقاموں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور جب کوئی بندہ اس کمالِ حال سے متصف ہوتا اور اس درجہ کمال میں فائز ہوتا ہے تو وہ اس قابل ہوتا اور یہ شان رکھتا ہے کہ ملائکہ اس کے لئے مغفرت و بخشش کی دُعا کریں اور اس حالت میں اس کی موت شہادت کی موت ہو۔

شیطان کو دور کرنے والا فرشتہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنِ اسْتَعَاذَ فِي الْيَوْمِ عَشْرَ مَرَّاتٍ وَكَّلَ اللهُ تَعَالٰى بِهٖ	"جس نے دن میں دس بار" تعوذ کیا" اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھا اللہ تعالےٰ

مَلَکاً یَذُوْدُ عَنْہُ الشَّیْطَانَ ۔ (مفاتیح الغیب ج ۱ صـ۷۴)

اس کے ساتھ ایک فرشتے کو مقرر کرے گا جو اس سے شیطان کو دُور رکھے گا "

یہ تعوذ کی عظیم الشان برکت ہے کہ شیطان قریب نہ بھٹکے اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ جب بندہ " اعوذ باللہ " کہتا اور ساتھ ہی اس کے مفہوم و معنی پر عقل سے غور کرتا ہے تو اس سے اس پر اپنی ناقص قدرت اور ناقص علم کی حقیقت کھل جاتی ہے ۔ اس حقیقت کے کُھل جانے کے بعد وہ نفس کی خواہش کی طرف توجہ نہیں دے گا اور ان کاموں کا ارتکاب نہیں کرے گا جن کے ارتکاب کی نفس دعوت دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑا شیطان تو خود انسان کا اپنا نفس ہے ۔ لہٰذا اس کے بعد انسان شیطان کے چکر میں ہرگز نہیں آئے گا ۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اس کلمہ (تعوذ) کا پڑھنا شیطان کو دُور کرتا ہے ۔

تعوذ، نووارد کے لئے حفظ و امان ہے

حضرت بی بی خولہ بنت حکیم سُلمیہ رضی اللہ عنہا ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں ۔ آپ نے فرمایا :۔

" جو شخص کسی جگہ میں وارد ہوا پھر " اعوذ بکلمات اللّٰہ التّامّات من شرّ ما خلق " (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی اس کی مخلوق کے شر سے) پڑھا تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کر جائے " (صحیح ترمذی ج ۲ صـ۱۸۲)

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم عقلیہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روحانی اشخاص جسمانی اشخاص سے کہیں بڑھ کر ہیں اور یہ کہ آسمان ارواحِ طاہرہ سے بھرے پڑے ہیں ۔ چنانچہ حدیث میں ہے ۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " آسمان چرچراتا ہے اور اُسے حق ہے کہ چرچرائے ، آسمان میں کوئی جگہ قدم رکھنے کی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام میں نہ ہو ، قعود میں نہ ہو " ۔ اسی طرح زمین اور ہوا ارواح سے بھرے

ہوئے ہیں اور زمین و ہوا کی بعض روحیں پاکیزہ ، نورانی اور نیک ہیں اور بعض گندی ، ایذا پہنچانے والی اور شرارتی ہیں۔ تو جب انسان نے "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ" کہا تو بے شک اس نے ان پاکیزہ روحوں کی پناہ لی خبیث روحوں کے شر سے اور اس کے علاوہ "کلمات اللہ" اللہ تعالیٰ کا قول "کُن" ہے اور یہ اُس کی قدرتِ نافذہ سے عبارت ہے اور جس نے اللہ کی قدرتِ نافذہ ، کاملہ ، مؤثرہ کی پناہ لی اُسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

پریشان کُن خواب سے تعوذ

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

"جب تم میں سے کوئی شخص نیند (میں پریشان کن خواب دیکھنے) سے گھبرا جائے تو یہ پڑھے "اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَ مِنْ شَرِّ هَمَزَاتِ الشَّيٰطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ" تو خواب اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا"

(مفاتیح الغیب ج ۱ صف)

دُعا کا ترجمہ یوں ہے :-

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی اس کے غضب سے اور اُس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسوں کے شر سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔"

اور قرآن کریم کی سورت مؤمنون آیت ۹۸، ۹۹ میں ہے :-

قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ "تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری

هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ۔ (مومنون : ۹۹)

پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب! تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں "۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ دعا اسی آیت کریمہ میں وارد دعا سے قریب قریب ملتی جلتی ہے۔

تعویذ

حدیث میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بالغ غلاموں کو اس دعا کی جو حدیثِ مذکور میں گزری تعلیم دیتے اور غیر بالغوں کے گلے میں اس کا تعویذ بنا کر ڈالتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ا صـ۷)

اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو پناہ میں دیتے تھے اور یوں فرماتے تھے :-

اُعِيْذُ كُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَامَّةٍ وَّ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ۔

"میں تمہیں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ہر شیطان اور ہر شر یر اور ہر نظر بد سے

اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادوں حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحٰق علیہما السلام کو ان کلمات کی پناہ میں دیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں استعاذہ کی اہمیت

حضور اکرم رسولِ کرم صلی اللہ علیہ وسلم

استعاذہ یا تعوذ کے معاملے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے

ایک خاتون سے نکاح فرمایا اور اس کے پاس تشریف لائے تو اُس کی زبان سے نکلا "اَعُوذُ بِاللہِ مِنکَ" (کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تم سے) تو آپ نے جواب میں اس عورت سے فرمایا :-

عُذتِ بِمَعَاذٍ فَالحَقِی بِاَھلِکِ

"تجھے خوب پناہ دے دی گئی، پس اپنے گھر والوں سے جا ملو، یعنی گھر چلی جاؤ"

ایک سوال اور جواب

واقعہ یہ ہے کہ اس خاتون کو غلط فہمی میں ڈالا گیا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس تشریف لائیں تو تم اس طرح کہنا۔ وہ یہ سمجھیں کہ شاید یہ کلمات کہنا یہاں کے رسم و رواج کے مطابق ہوگا اور یہ کہ وہ خاتون دوسرے علاقہ کی تھیں جو اس کلمہ کی حقیقت سے واقف نہ تھیں۔ اس لئے غلط فہمی میں آکر انھوں نے یہ کلمہ کہہ دیا اور حقیقت میں اُن کا ارادہ نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیں اور گھر بھیج دیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم نہ ہو سکا کہ وہ عورت دل سے اور دیدہ دانستہ یہ کلمہ نہیں کہہ رہی ہیں اور نہ ہی اس کا یہ ارادہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے چھوڑ دیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے علمِ غیب کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں استعاذہ کی بہت ہی اہمیت تھی اس لئے آپ نے اسے اپنے سلسلۂ ازواج میں شامل کرنے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ اس سے قطع نظر کہ اس خاتون کا فی الواقعہ یہ ارادہ تھا یا نہ تھا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی

علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

واعلم ان الرجل المستبصر	"معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ کے
بنور اللہ لا التفات له	نور کے ساتھ دیکھنے والا شخص قائل
الی القائل وانما التفاته	(کہنے والے) کی طرف توجہ نہیں
الی القول فلما ذکرت تلك	کرتا بلکہ قول ہی کی طرف توجہ رکھتا
المرءة کلمة "اَعُوْذُ بِاللہِ"	ہے۔ لہٰذا جب اس عورت نے
بقی قلب الرسول صلی اللہ	"اَعُوْذُ بِاللہِ" کا کلمہ کہا تو رسول اللہ
علیه وسلم مشتغلا بتلك	صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس کلمہ کی
الکلمة ولم یلتفت الی	اہمیت میں مشغول ہوگیا اور اس
انها قالت تلك الکلمة	بات کی طرف توجہ نہ فرمائی کہ اس عورت
عن قصد ام لا -	نے یہ کلمہ ارادہ سے کہا ہے یا نہ۔"

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۷۵)

امام رازی علیہ الرحمۃ کی اس تحقیق سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس خاتون کے استعاذہ کے ظاہر پر نظر ڈالتے ہوئے اسے علیحدہ کر دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کی ذات ایک ایسی ذات ہے جس کی دل وجان سے تعظیم کرنا ایک مسلمان کا ایمانی تقاضا ہے آپ نے اس بات کی طرف توجہ نہ فرمائی کہ وہ قصداً یہ کہہ رہی ہے یا غلط فہمی سے اور بغیر قصد ارادہ سے کہہ رہی ہے۔"

جامع التعوذات

اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ تعوذات کا تذکرہ کرتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں فرماتے تھے ان میں تقریباً ان تمام چیزوں کا بیان ہے جن سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیئے تاکہ قارئین اس سے مستفید ہوں اور ان تعوذات کا وظیفہ کر سکیں۔

ظلم اور زیادتی سے پناہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اَعُوْذُ بِکَ اَللّٰھُمَّ اَنْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَعْتَدِیَ اَوْ یُعْتَدٰی عَلَیَّ اَوْ اَکْتَسِبَ خَطِیْئَۃً مُحْبِطَۃً اَوْ ذَنْبًا لَا یُغْفَرُ الخ	اے میرے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے یا میں ایسا گناہ کروں جو میری نیکیوں کو ضائع کر دے یا ایسا گناہ کروں جو نہ بخشا جائے گا۔
(مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۹۱)	

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں سے خدا کی پناہ مانگی ہے (۱) ظلم، یعنی اس بات سے کہ آپ کی طرف سے کسی پر ظلم ہو (۲) اس بات سے کہ آپ پر کوئی ظلم کرے (۳) تعدّی، اس بات سے کہ آپ کسی پر کوئی زیادتی کریں (۴) اس بات سے کہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے۔ (۵) خطیہ، ایسے گناہ کے ارتکاب سے، جس سے نیکیاں ضائع ہو جائیں جیسے کفر و ارتداد اور خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی۔ (۶) ایسے گناہ کے ارتکاب سے، جو قابل بخشش نہ ہو۔ اس سے مراد کفر و ارتداد اور وہ گمراہی و بدعقیدگی ہے جو کفر کی حد تک ہو مثلاً ضروریاتِ دین میں سے کسی ضروری کا انکار یا اس میں ادنیٰ شک و تردد اور اس میں بندوں کے حقوق بھی شامل ہیں جن کی بخشش اس وقت تک نہ ہوگی جب تک صاحب حق معاف نہیں کرے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ گناہ سے معصوم تھے اس لیے آپ کا ان گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا صرف

میں کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے اور دیگر مذکورہ جرائم و معاصی کے خلاف نفرت جاگزیں ہو اور وہ ان سے دور رہیں۔

چار چیزوں سے پناہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یتعوذ من اربع من علم لا ینفع ومن قلب لا یخشع ودعاء لا یسمع ونفس لا تشبع

(سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۲)

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسی دعا سے جو نہ سنی جائے اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں دُعا فرماتے تھے

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ وَمِنْ دُعَآءٍ لَّا یُسْمَعُ وَمِنْ نَّفْسٍ لَّا تَشْبَعُ۔

جو علم نفع نہ دے اس سے علم وہ مراد ہے جس پر علم والا عمل نہ کرے۔ یہ علم علم والے کے خلاف خدا تعالیٰ کی حجت ہے مثلاً ایک شخص کو پتہ ہے کہ نماز پنجگانہ فرض ہے لیکن اس کے باوجود نمازوں کی پابندی نہ کرے اس طرح یہ معلوم ہو کہ زکوٰۃ فرض ہے لیکن ادا نہ کرے یہ معلوم ہو کہ اس پر حج فرض ہے پھر حج کو نہ جائے یہ معلوم ہو کہ روزہ فرض ہے پھر روزہ نہ رکھے یہ معلوم ہو کہ ماں باپ کا ادب و احترام اور ان کی فرمانبرداری جائز امور میں فرض ہے پھر ان کا ادب و احترام نہ کرے اور ان کی فرمانبرداری نہ کرے یہ معلوم ہوا کہ علماء اہلسنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں دین کے رہنما ہیں واجب الاحترام ہیں ان کی اطاعت کرنا شریعت کی رُو سے ضروری ہے لیکن ان کا ادب و احترام نہ کرے یا ان کی اطاعت نہ کرے اسی طرح جن احکام شرعیہ کا علم ہو پھر ان پر عمل نہ کرے یہ معلوم ہو کہ

پھر دکھلاوے کے لیے نیکی کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کام اس دُعا کے تحت آتے ہیں۔ اس دل سے مراد جو خشوع نہ کرے وہ دل ہے جس میں تواضع نہ ہو انکساری نہ ہو۔ خداتعالیٰ کا خوف نہ ہو بلکہ اس کی جگہ تکبر اور غرور بھرا ہوا ہو اور سخت ہو اور نہ سنی جانے والی دعا سے وہ دعا مراد ہے جو عنداللہ قابل قبول نہ ہو اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں جن کی بناپر دعا قبول نہیں ہوتی ظالم کی دعا قبول نہیں ہوتی سخت دل انسان کی نہیں ہوتی۔ متکبر اور مغرور شخص کی نہیں ہوتی۔ ریاکار کی نہیں ہوتی۔ جس کی روزی حرام کی ہو اس کی نہیں۔ ماں باپ۔ استاذِ دینی۔ علماء اور بزرگانِ اسلام کے بے ادب کی نہیں ہوتی۔ بدعقیدہ کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے ایسا انسان نہ بنا جس کی دعا قبول نہ ہو اور اس نفس سے جو نہ بھرے اور سیر نہ ہو وہ نفس مراد ہے جو مال ودولت اور عیش وعشرت اور دنیا کی خواہشات کا دلدادہ ہو۔ دنیوی لذتوں میں ڈوبا ہوا ہو، آخرت کے فکر سے بے نیاز اور دنیا کے جاہ وجلال کی طرف راغب و مائل ہو، استطاعت اور توفیق ہونے کے باوجود راہ خدا میں خرچ کرنے سے گھبراتا ہو۔ زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے اور جمع رکھنے کا شائق و حریص ہو۔

جامع المتفرقات

اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متفرق دعاؤں میں واقع الفاظ کو قارئین کی سہولت کے لیے ایک جگہ جمع کیے دیتے ہیں بالخصوص وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد ارشاد فرماتے یا سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے یا گھر تشریف لاتے ہوئے ان کا صبح وشام ورد رکھنا بہت ہی مصیبتوں سے حفاظت کا باعث ہے

مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَفِتْنَةِ
الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ
شَرِّ سَمْعِيْ وَشَرِّ بَصَرِيْ
وَشَرِّ لِسَانِيْ وَشَرِّ قَلْبِيْ وَشَرِّ
مَنِيِّيْ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ
الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ
فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَاَعُوْذُبِكَ
مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَسُوْءِ
الْعُمُرِ ، اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ
اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ
وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَفِتْنَةِ
الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ،
اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ
مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ
وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ
وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الدَّيْنِ
وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ
وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَغْرَمِ
وَالْمَأْثَمِ ۔

پناہ مانگتا ہوں (نیکی کے معاملہ میں)
بزدلی سے اور بخل سے اور سینہ
کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے
اے میرے اللہ ! میں تیری پناہ
مانگتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے
اپنی آنکھوں کے شر سے اپنی زبان
کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے
اور اپنی شرمگاہ کے شر سے اور تیری
پناہ اس بوڑھاپے سے جس میں ظاہری اور
باطنی حواس کام کے نہ رہیں (اور
سمجھ بچے کی سی حالت ہو جائے) اور
تیری پناہ دنیا کے فتنہ سے اور تیری پناہ
قبر کے عذاب سے اور میری زندگی ۔
اے میرے اللہ ! تیری پناہ نیک
کام کرنے میں عاجز آجانے اور سست
ہو جانے سے اور نہایت ہی بوڑھاپے سے
جس سے حواس جواب دے جائیں اور زندگی
اور موت کے فتنے سے ۔ اے میرے
اللہ ! تیری پناہ رنج و غم اور مردوں
کے غلبہ سے اور تیری پناہ قرض
سے اور دجال کے فتنے سے اور
تیری پناہ قرض و تاوان اور گناہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ
مِنَ الْفَقْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ
مِنَ الْقِلَّۃِ وَالذِّلَّۃِ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ
مِنْ فِتْنَۃِ النَّارِ وَعَذَابِ
النَّارِ وَشَرِّ فِتْنَۃِ الْغِنَاءِ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ
مِنَ الْجُوْعِ فَاِنَّهٗ بِئْسَ
الضَّجِیْعُ وَاعُوْذُ بِكَ مِنَ
الْخِیَانَۃِ فَاِنَّهٗ بِئْسَتِ
الْبِطَانَۃُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ
مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ
وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ
روزی کی تنگی سے اور تیری پناہ مال
کی قلت سے (جو ضروریات کو پورا نہ
کر سکے۔ اور اس کی وجہ سے عبادات
میں خلل واقع ہو) اور ذلت سے
اے میرے اللہ! تیری پناہ
آگ کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب
سے اور دولت کی فراوانی سے (جسے
راہِ خدا میں خرچ نہ کیا جائے)
اے میرے اللہ! تیری پناہ بھوک
سے۔ پس بے شک بھوک کروٹ
کا بُرا ساتھی ہے اور تیری پناہ
خیانت سے پس بے شک خیانت
اندر کی بری خصلت ہے۔ اے
میرے اللہ! تیری پناہ جھگڑے
سے اور منافقت سے اور بُرے
اخلاق سے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ
مِنَ الْكُفْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ
مِنْ غَلَبَۃِ الْعَدُوِّ وَ
شَمَاتَۃِ الْاَعْدَاءِ۔ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ

اے میرے اللہ! تیری پناہ
کفر سے اور تیری پناہ دشمن کے
غلبہ سے اور دشمن کی ہنسی سے
اے میرے پروردگار! تیری پناہ

مِنْ اَنْ اَزِلَّ اَوْ اُضِلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ۔

کہ میں سیدھے راستے سے پھسلوں یا گمراہ ہو جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم ہو یا میں جاہلانہ کام کروں یا کوئی میرے ساتھ جاہلیت کا مظاہرہ کرے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوْءِ الْقَضَاءِ وَجَهْدِ الْبَلَاءِ۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ بد بختی کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر سے اور گراں حالی سے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُنُوْنِ وَالْجُذَامِ وَالْبَرَصِ وَسَيِّئِ الْاَسْقَامِ وَمِنْ عَيْنِ الْجَانِّ وَعَيْنِ الْاِنْسِ وَسُوْءِ الْكِبَرِ۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ جنون (پاگلپن) اور کوڑھ اور سفید داغوں کی بیماری سے اور تمام نقصان پہنچانے والی بیماریوں سے اور جنوں اور انسانوں کی نظرِ بد سے اور بوڑھاپے کی برائی سے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ سفر کی تکلیف اور واپسی کے رنج سے اور بہتر حالت سے بری حالت کی طرف پلٹ آنے سے۔

وَدَعْوَةِ الْمَظْلُوْمِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ جَارِ السُّوْءِ فِیْ دَارِ الْمَقَامِ

اور مظلوم کی بد دعا سے اور اہل و مال اور اولاد میں برے منظر سے اور تیری پناہ گھر کے مقام میں برے پڑوسی سے

وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ
شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَ
اَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ۔
وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ
وَمِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَاَعُوْذُبِكَ
مِنَ التَّرَدِّيْ وَالْهَدَمِ وَالْغَمِّ وَالْحَرِيْقِ
وَالْغَرَقِ وَاَعُوْذُبِكَ
اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطَانُ
عِنْدَ الْمَوْتِ وَاَعُوْذُبِكَ
اَنْ اَمُوْتَ لَدِيْغًا وَاَعُوْذُبِكَ
مِنْ ضِيْقِ الْمَقَامِ يَوْمَ
الْقِيَامَةِ۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ
اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ
شَيْءٍ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّرِّ
كُلِّهٖ عَاجِلِهٖ وَاٰجِلِهٖ۔
(نسائی، ترمذی و ابن ماجہ
وبخاری وابوداؤد)

اور تیری پناہ جنوں اور انسانوں
کے شیطانوں کے شر سے اور تیری
پناہ تیری نعمت کے زوال سے۔
اور تیری پناہ ہر جانور جو زمین پر
چلتا ہے کے شر سے اور تیری پناہ
اوپر سے نیچے گرنے اور عمارت کے
اوپر سے آ گرنے اور غم اور جلنے
اور ڈوبنے سے اور تیری پناہ
کہ موت کے وقت شیطان مجھے
بدحواس کرے اور تیری پناہ کہ میں
کسی زہریلے جانور کے ڈنک سے
یا ڈسنے سے مروں اور تیری پناہ
قیامت کے دن کی پیشی کی تنگی سے
اے میرے اللہ تیری پناہ
ہر چیز کے شر سے ابھی کے اور
آگے پیش آنے والے شر سے۔

یہ تمام الفاظ مختلف احادیث سے لے کر، ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ہیں اور ان کا صبح وشام پڑھنا بلاشبہ بہت ہی مفید ہوگا اور اگر کبھی وقت اس قدر تنگ ہو کہ ان کے پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو ان کلمات کا پڑھ لینا کافی ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر پڑھنے کو

ارشاد فرماتے جب کسی کو سب کا پڑھنا مشکل ہو

اجمع التعوذات

چنانچہ ترمذی میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بہت بڑی دعا فرمائی کہ اس میں سے ہمیں کچھ یاد نہ رہا۔ ہم نے عرض کی ۔ یا رسول اللہ ! آپ نے ایسی بہت بڑی دعا فرمائی کہ ہمیں اس میں سے کچھ یاد نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے کلمات نہ بتاؤں جو اس میری دعا کے تمام کلمات (کی روح) کو سمیٹے ہوئے ہو؟ تم یوں کہا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَیْرِ مَا سَاَلَكَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَ مِنْهُ نَبِیُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَیْكَ الْبَلَاغُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

اے میرے اللہ! بیشک ہم تجھ سے ہر اس چیز کی بھلائی میں کچھ مانگتے ہیں جس سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے مانگا اور ہم ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں جس سے تیرے بنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری پناہ مانگی اور تجھ سے مدد چاہی جاتی ہے اور تجھ پر کفایت (بھروسہ) ہے اور حرکت وقوت اللہ ہی کی توفیق سے ہے

(صحیح ترمذی ج ۲ ص ۱۹۰)

ستر سے زیادہ چیزیں ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعاذہ فرمایا (پناہ مانگی) اور اگر کسی کو ان کے پڑھنے اور ہمیشہ کے لیے ورد کرنے کی فرصت نہ ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بالا مذکور کے مطابق یہ مختصر سا وظیفہ پڑھنا بھی اس بڑے وظیفہ کی جگہ کافی ہے۔

(۴) اَلْمُسْتَعَاذُ مِنْهُ
(یعنی جس سے پناہ مانگی جائے)

استعاذہ یا تعوذ کے اجزا ترکیبیہ یا ارکان میں سے ایک اہم جز یا رکن "المستعاذ منہ" ہے اور "المستعاذ منہ" کے معنی وہ شخص یا چیز جس سے خدا کی پناہ مانگی جائے یعنی شیطان اور شیطان سے پناہ مانگنے سے مراد اس کے شر سے پناہ مانگنا ہے اور شیطان کا شر دلوں میں وسوسہ اور غلط خیال ڈالنا ہے بلاشبہ خطرۂ شیطان ہو یا اس کا وسوسہ وشر۔ بہت بڑی مصیبت و آفت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں میں رحمانی اور شیطانی قوتیں ایک دوسرے سے ممتاز وجدا ہو جائیں۔ شیطان کے شر اور اس کے خطرہ و وسوسہ کو معمولی چیز نہ سمجھا جائے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے اور بہت ہی خطرناک، ایمان کے لیے تباہ کن اور دین کے لیے سخت مضر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کے لیے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ اس سے خدا کی پناہ مانگیں اور ساتھ ہی بار بار ارشاد فرمایا کہ شیطان اولادِ آدم کا دشمن ہے اور شیطان کے اس اعلان کا بھی ذکر فرمایا۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔	بولا اے میرے رب! قسم اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ان (بندوں) کو زمین

میں ضرور بہلاوے دوں گا اور
(الحجر: ۳۹) میں ان کو سب کو بھٹکا کر رہوں گا۔

شیطان نے کہا کہ وہ سب کو دنیا کے ساز و سامان اور اس کی زیب و زینت کا دلدادہ بنا کر گمراہ کرے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے تسلیم بھی کرنا پڑا کہ "اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ" (۴۰) مگر ان میں تیرے چنے ہوئے بندے۔ یعنی جنہیں تو نے اپنی توحید و عبادت کے لیے چن لیا اور دین و آخرت کی فکر ان کے سینوں میں پیوست کر دی ان میں شیطان کا وسوسہ اور اس کا فریب نہیں چلے گا۔ البتہ دین و آخرت کی فکر سے بے نیاز، خدا اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرمانبرداری کے عملی جذبہ سے خالی اس کے ساتھ جہنم کا ایندھن بنیں گے (معاذ اللہ)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا قول نقل فرمایا۔ اس نے کہا:

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ میں اولادِ آدم کو ضرور پیس ڈالوں گا مگر تھوڑے سے (بنی اسرائیل ۶۲) یعنی میں اولادِ آدم کو گمراہ کر کے پیس ڈالوں گا مگر تھوڑے سے، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچالے اور محفوظ رکھے۔ اور وہ اس کے خلوص والے بندے ہیں جو ہر کام اس کی رضا و خوشنودی کے لیے کرتے ہیں جنہیں آخرت اور دین اس قدر عزیز ہے کہ اس کے لیے تن من دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے جواب میں ایسے بندوں کے لیے ارشاد فرمایا

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (بنی اسرائیل ۶۵) کہ بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور مخلص بندے انبیاء کرام

اور ان کے عقیدت و احترام اور اطاعت گزار و وفا شعار مسلمان ہیں
جیساکہ اوپر گزرا جن کی زندگی دین کے لیے ایثار وقربانی سے عبارت ہے
چنانچہ ایک حدیث میں ہے (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ)
یعنی ایک صحیح العقیدہ عالمِ دین ایک ہزار
عبادت گزاروں کی لنسبت شیطان پر زیادہ سخت ہے۔ یعنی ایک صحیح العقیدہ
عالمِ دین کی بقاء و زندگی شیطان کے لیے ایک ہزار عبادت گزار لوگوں کی زندگی
سے بڑھ کر تشویشناک اور پریشان کن ہوتی ہے کیونکہ عالمِ دین شیطان کے اغوار
(بہکانے) کو قبول نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے کہ وہ شیطان کے
کہنے میں نہ آئیں جبکہ عبادت گزار صالح انسان شیطان کی گھاتوں سے اس
وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ صحیح العقیدہ عالمِ دین کی رہنمائی
میں نہ چلے (مرقاۃ شریف)

شیطان و جن

شیطان ایک شخص ہے جس کا جسم لطیف
ہے اور اسے مختلف شکلوں میں بدل سکنے
کی قدرت ہے اور یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو
سجدہ نہ کیا۔ تکبر کا مرتکب ہوا اور کافر قرار پایا۔ جنات ہوں یا شیاطین
اسی طرح فرشتے سب کے سب اجسام لطیف ہیں جبکہ جنات آگ اور فرشتے
نور سے پیدا کیے گئے سب کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی قدرت بخشی ہے
کہ وہ مختلف شکلوں میں بدل سکتے ہیں نیز ان میں عقل و فہم بھی ہے
اور وہ اس قدر قدرت و طاقت رکھتے ہیں کہ بڑے بڑے اور مشکل
مشکل کام تھوڑے سے وقت میں کر سکتے ہیں جس سے عقلِ انسانی دنگ
رہ جائے چنانچہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ:-

انها اجسام هوائية قادرة على التشكل باشكال مختلفة ولها عقول وافهام وقدرة على اعمال صعبة شاقة (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶)

جنات وشیاطین ایسے ہوائی لطیف جسم والے اشخاص ہیں جنہیں مختلف شکلوں کے اختیار کر لینے کی قدرت ہے اور وہ عقل وفہم رکھتے ہیں

ملا علی قاری علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں

فان الشياطين اجسام لطيفة قادرة باقدار الله تعالیٰ على كمال التصرف ابتلاءً للبشر۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۱۱)

شیاطین اجسام لطیفہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قدرت بخشنے سے کمال تصرف کی قدرت رکھتے ہیں بشر کی آزمائش کے لیے (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۱ ص ۱۱)

شیطان کی تخلیق میں حکمت

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کی تخلیق میں حکمت ہے "فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْا عَنِ الْحِكْمَةِ" محاورہ ہے کہ دانا کا کام دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اور اس کی زندگی، آزمائش وامتحان کے لیے بنائی۔ قرآن میں ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک) "کہ اللہ تعالیٰ نے موت و زندگی کو پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل بہتر ہے" اور اس آزمائش کے لیے شیطان کو قیامت تک یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے تک مہلت دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ شیطان نے کہا:

قَالَ اَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ۝ قَالَ اِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ۝ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَیۡتَنِیۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَیۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِیۡنَ ۝ قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝

(الاعراف ۱۵ تا ۱۸)

کہا مجھے مہلت دے اس دن تک کہ لوگ (اپنی قبروں سے) اٹھائے جائیں۔ فرمایا، تجھے مہلت ہے (پہلی بار صور پھونکے جانے تک) بولا، تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے راستے پر ان کی (تیرے بندوں کی) تاک میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں سے (چاروں طرف سے ان کو گھیر کر سیدھے راستہ سے روکوں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا، رد کا گیا راندہ ہوا۔ ضرور جو ان میں سے تیرے کہنے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا۔

شیطان نے کہا کہ تو اکثر بندوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔ یوں نہ کہا کہ "سب کو" شکر گزار نہ پائے گا کیونکہ انبیاء علیہم السلام شیطان کے شر سے معصوم اور ان کے خلوص وایثار والے پیروکار محفوظ ہوتے ہیں اور حفاظت کا یہ

مطلب نہیں کہ ان سے کوئی خطا ولغزش یا گناہ ہی سرزد نہ ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نیکیاں ان کی خطاؤں پر غالب ہوں اور وہ اپنی خطاؤں سے باخبر ہونے کے بعد اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ بالآخر اس پر نادم ہوتے اور توبہ کرتے ہیں نیز خطا ولغزش کا وقوع بھی ہر ایک سے ضروری نہیں بلکہ امکان بھی کافی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ و معصیت سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ یہاں امکان گناہ بھی نہیں ہوتا۔

شیطان پہلے تو دلوں میں خطرات و وسوسے (غلط خیالات) ڈالتا ہے پھر وہ خیالات اگر آئیں اور دل سے نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر دل سے نہ نکلیں بلکہ ٹھہر جائیں اور انسان انہیں دل میں لیے رہے تو اس پر خدا کے ہاں گرفت ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ (بقرہ ۲۲۵)

(ترجمہ) ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کیے

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے میری امت کے سینے کے وسوسہ سے درگزر فرمایا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے یا زبان پر نہ لائے (مشکوٰۃ صہ ۱۸)

حضرت مولانا علی بن سلطان القاری مرقاۃ اور حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہما اللہ تعالےٰ) لمعات میں فرماتے ہیں

"وہ خیالات جو انسان کو برائی کی ترغیب دیں وسوسے اور جو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دیں الہام کہلاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا الہام حجت ہے جبکہ اولیاء اللہ کا الہام حجت نہیں اور اکثر فقہاء

محدثین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جس بُرے خیال کا عزم کرے اس پر اس کا مؤاخذہ ہوگا۔

روشن ایمان

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں جن کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ہمارا کوئی (بھائی) بھی ان خیالات کو زبان پر لانے کو بڑی چیز سمجھتا ہے آپ نے پوچھا کہ کیا تم یہ بات پاتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا یہ روشن ایمان ہے (مشکوۃ صـ ۱۸) یعنی ایمان نہ ہوتا تو تم ان کلمات کو زبان پر لاتے اب جبکہ زبان پر نہیں لاتے بلکہ زبان پر لانے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ صریح ایمان اور روشن یقین ہے

شیطانی وسوسہ

وسوسہ کی تعریف کرتے ہوئے امام راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں " الوسوسۃ الخطرۃ الردیئۃ (صـ ۵۲۲) کہ وسوسہ بُرے خیال کو کہتے ہیں اور لسان العرب میں ہے حدیث النفس والافکار (ج ۶ صفـ ۲۰۰) کہ وسوسہ نفسانی خیال و افکار کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں وسوسہ کا ایک معنیٰ دل میں خلط ملط نوعیت کی باتوں کا آنا بھی ہے جن سے دل و دماغ پر حیرت و دہشت سی چھا جائے۔ لیکن جب وسوسہ کی نسبت شیطان کی طرف کی جائے گی تو اس سے وہ خیالات مراد ہوں گے جن سے انسان کا عملِ صالح کا جذبہ ماند پڑ جائے یا جن کا قرآن و سنت

اجماعِ امت کے ساتھ ٹکراؤ ہو۔ شیطانی وسوسہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ پر ایمان
کے عقیدے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کے جذبہ کو کمزور
کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ صحیح مسلم بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
سے یہ بھی مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں
سے ایک کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا (مثلاً آسمان
اور زمین وغیرہ کے بارے میں سوال پیدا کرتا ہے) اسے کس نے پیدا
کیا۔ یہاں تک کہ (دل میں یہ سوال بھی ڈالتا ہے) کہتا ہے تیرے رب کو کس
نے پیدا کیا؟ پس جب وہ آپ کو پہنچے (یعنی دل میں یہ سوال آئے تو
اسے شیطان کا وسوسہ سمجھتے ہوئے) پس اللہ کی پناہ مانگے اور اس خیال
سے باز رہے۔ مسلم بخاری کی ایک اور حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگ ہمیشہ ایک
دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ (یہ بھی) سوال کیا جائے گا کہ
اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ پس جو شخص
اس (سوال کے قسم) میں سے کچھ (دل میں محسوس کرے یا) پائے تو
کہدے "اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ" کہ میں ایمان لایا اللہ
اور اس کے رسولوں پر (مشکوٰۃ صہ ۱۸) اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں
ہیں جن میں بتایا گیا کہ شیطان، انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے
بارے میں شک و شبہ اور تردد پیدا کرنا چاہتا ہے اس لیے اگر کبھی اور
کسی وقت بھی اس قسم کا سوال پیدا ہوں اور دل میں ایسے خیالات آنے
لگیں تو فوراً استعاذہ کریں "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ کر شیطان
کے وسوسہ کو دور کر دیا کریں۔

انسان کے دو ساتھی

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے ساتھ اس کا ایک جن ساتھی اور فرشتہ ساتھی مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہ نے عرض کی اور آپ، یا رسول اللہ؟ فرمایا میں بھی

لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پر مدد دی پس وہ مسلمان ہوگیا تو وہ مجھے بھلائی کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸)

یعنی ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ساتھی فرشتہ ہے اور ایک ساتھی شیطان ہے تو جو فرشتہ ساتھی ہے وہ انسان کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے دل میں اچھے خیالات ڈالتا ہے اور جو شیطان ساتھی ہے وہ انسان کے دل میں بُرے خیالات ڈالتا اور اسے برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس کا نام "اَلْھَامَن اور" وَسْوَاس" ہے امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث مذکور میں واقع لفظ "فَاَسْلَم" اسلام سے ماخوذ "فعل ماضی بھی ہو سکتا ہے جس کا معنی ہوگا کہ وہ مسلمان ہوگیا اور یہ "سلامۃ" سے ماخوذ فعل مضارع واحد متکلم بھی ہو سکتا ہے جس کا یہ معنی ہوگا کہ میں سلامت رہتا ہوں۔ بعض اہلِ علم اس کے واحد متکلم ہونے (میم کے پیش کے ساتھ پڑھنے) کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ شیطان کے مسلمان ہونے کا کوئی امکان نہیں لہٰذا اس لفظ فعل ماضی قرار دینے کے بجائے فعل مضارع واحد متکلم قرار دینا چاہیے لیکن جب صحیح روایت میں اس کا فعل ماضی ہونا ثابت ہے تو اس کے مقابلہ میں

یہ قیاس کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ شیطان کا مسلمان ہونا منصور و ممکن نہیں مگر راقم غلام سرور قادری عرض کرتا ہے۔ یہ قیاس جب درست ہوتا جب اس شیطان سے وہ بڑا شیطان جسے قرآن میں ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا، مراد ہوتا۔ یہاں وہ مراد ہی نہیں بلکہ اس سے مراد اس کی ذریت و اولاد میں سے کوئی شیطان ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقرر کیا گیا اور وہ آپ کی عصمت اور آپ کے نورِ نبوت کی برکت سے مسلمان ہوگیا اور یہ بات بعید از قیاس نہیں کیونکہ نورِ نبوت ہر شر پر غالب ہے۔ اور صحیح مسلم میں ابلیس کے بیٹے ھامہ بن ابلیس کا مسلمان ہونا بھی ثابت ہے جس میں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کے قتل کیے جانے کے وقت وہاں موجود تھا اور یہ کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے بھی ملا تھا اور ان کے بعد نبیوں سے بھی۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ اسے قرآن کریم کی تعلیم دیں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلام جواب دے کر اسے سورۂ واقعہ مرسلات و عم یتساءلون، اذا الشمس کورت، معوذتین اور قل ھو اللہ احد کی تعلیم دی

شیطانی قوت

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا تھا کہ شیطان کی تخلیق میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو آزمایا جائے اور اس آزمائش کے لیے اس کو مہلت دی گئی اور ساتھ ہی اسے قوت و طاقت بھی بخشی گئی اس کی طاقت و قوت کا اندازہ درج ذیل حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّ الشَّیطَانَ یجری من الْاِنسَانِ مَجْرَی الدمِ۔ — بے شک شیطان انسان سے اس کے خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

مشکوٰۃ ص۱۸

لفظ "مجری" مصدر میمی بھی ہوسکتا ہے اس لحاظ سے حدیث کا معنی ہوگا کہ شیطان انسان کے اندر ایسے چلتا ہے جیسے خون چلتا ہے اور یہ ظرف مکان بھی ہوسکتا ہے اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ شیطان انسان کے اندر اس کے خون کی جگہ دوڑتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو استدراجی قوت بخشی ہے جس کی بنا پر وہ انسان کے اندر داخل ہوجاتا ہے اور اسے گمراہ کرنے کی عام کوششیں عمل میں لاتا ہے اور یہاں اگرچہ لفظ "الانسان" عام ہے مگر یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے انبیاء اکرام اور وہ صحیح العقیدہ صالحین جن کے دلوں میں ایمان اور حسنِ عمل کی حلاوت رس بس چکی، جو ظاہر و باطن کے اعتبار سے مکمل طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی میں ڈھل چکے۔ جن کے سینے معرفتِ خداوندی اور محبت مصطفوی کے خزینے بن چکے وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیساکہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس سے قبل ہم بیان کر چکے ایسے لوگ بھی اس کے داؤ اور فریب سے محفوظ رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ شیطان و نفس کی گھاتوں سے خوب باخبر ہیں اور اس کے مکر میں نہیں آتے جیساکہ غوث الاغواث، قطب الاقطاب امام اہلسنت اعلحضرت عظیم البرکتہ امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا

کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے۔

سوال: شیطان اور انسان میں درحقیقت کوئی مناسبت نہیں کیونکہ شیطان اور انسان دو الگ الگ نوع ہیں ان میں کوئی قدر مشترک نہیں جبکہ ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے لیے ہادی (ہدایت دینے والا) اور مہدی (جسے ہدایت دی گئی ہو) دونوں کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کے باوجود کہ شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے ایسی صورت میں وہ انسان کو کیسے گمراہ کرلیتا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان، انسان کو اس کے نفس امارہ کے واسطہ سے گمراہ کرتا ہے چنانچہ مرقاۃ شریف میں: بواسطۃ نفسہ الامارۃ بالسُّوء النَّاشِی قواھا من الدم

یعنی شیطان انسان کو اس کے اس نفس کے ذریعے گمراہ کرتا ہے جو اسے برائی کا حکم دیتا ہے جس کی قوتیں انسان کے خون سے پیدا ہوتی ہیں۔" حضرت یحییٰ ابن معاذ رحمتہ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کہ شیطان فارغ ہوگیا اور تم مشغول ہو اور وہ تمہیں دیکھتا ہے اور تم اسے نہیں دیکھتے اور تم شیطان کو بھولے ہوئے ہو وہ تمہیں نہیں بھولتا اور تمہارے نفس کی طرف سے شیطان کے لیے مدد ہے یعنی نفس شیطان کے وسوسہ کو قبول کر کے انسان کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔

وجودِ جنّات

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن یا جنات کا وجود ہے جن یا جنات کے موجود ہونے پر قرآن کریم کی متعدد آیات شاہد ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ (سورہ ذاریٰت)

کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اسی طرح اور بھی کئی ایک مقامات پر ہے۔ سورۂ بقر میں ہے

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ۔ (سورہ بقرہ)

کہ لوگوں نے اس کی اتباع کی جو سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے۔

خود قرآن کی ایک سورۂ مبارکہ "جن" بھی جنوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذا صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ۔ (سورۂ احقاف ۲۹)

اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے قرآن کان لگا کر سنتے، پھر جب وہاں حاضر ہوئے۔ آپس میں بولے۔ خاموش رہو۔ پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے۔

یہ آیت کریمہ ہیں جنوں کے وجود پہ نص ہے اور اس بات پر

کہ انہوں نے قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور واپس جاکر اپنی قوم جن کو تبلیغ کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں تقریباً سارے قرآن میں اٹھارہ انیس جگہ جنوں کا ذکر ہوا ہے اسی طرح حدیثوں میں جنوں کے تذکرے موجود ہیں ۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک جن کو پکڑنا اور اس کا آپ سے معافی مانگنا اور آیت الکرسی کے بارے میں بتانا مشہور واقعہ ہے اور قرآن کریم میں اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ جن آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔

مکلّفین

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جنہیں حکم ہے وہ چار گروہ ہیں ۔ فرشتے، انسان جن اور شیطان ۔ جن اور شیطان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دو مختلف الجنس مخلوق ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی حقیقت وماہیت ایک ہی ہے البتہ جو نیک ہیں وہ جن کہلاتے ہیں اور جو بُرے ہیں وہ شیطان کہلاتے ہیں ۔ اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ مخلوق ہیں ان کی غذا عبادتِ الٰہی ہے یعنی وہ ہمہ وقت عبادتِ الٰہیہ میں مصروف رہتے ہیں جبکہ جن وشیاطین مادی قسم کی چیزیں کھاتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہیں کہ تمہاری غذا میں سے جو تم ہڈیاں پھینکتے ہو وہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہیں لہٰذا ہڈیوں سے استنجا نہ کیا کرو ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے فرمایا لَكُمْ عَظْمٌ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ کہ تمہارے لیے وہ ہڈی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا مسلمان جن یہی کھاتے ہیں اور کفار جن ناپاک اور مرے ہوئے جانوروں

کی ہڈیاں کھاتے ہیں (فتاویٰ حدشیہ ص ٦٦)

اوران کے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں چنانچہ قرآنِ کریم میں اس کی اولاد کا تذکرہ ہے۔

شیطان کے وسوسہ کی کیفیت

شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ انسان کے باطن میں گھس جاتا ہے اور حبۂ قلب یعنی وسطِ قلب میں اپنا سر رکھ دیتا ہے اور اس کی طرف (نفس کے توسط سے) وسوسہ ڈالتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ مَجْرَی الدَّمِ، اَلَا فَضَیِّقُوْا مَجَارِیَہٗ بِالْجُوْعِ۔

بے شک شیطان خون کی جگہ چلتا (گردش کرتا) ہے خبردار، اس کے راستوں کو بھوک کے ذریعے تنگ کرو۔

(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۸۳)

یعنی کم کھاؤ۔ بھوک خواہشِ نفس کو کمزور کرتی ہے اور اس کے کمزور ہونے سے نفس کمزور ہوتا ہے۔ اور اس کے کمزور ہونے سے شیطان کا وسوسہ اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس لیے صوفیہ کرام زیرِ تربیت مریدین کو تین باتوں کی تربیت دیتے اور تلقین فرماتے ہیں (۱) کھانا تھوڑا کھاؤ (۲) کلام تھوڑا کرو یعنی ضرورت سے زیادہ نہ بولو (۳) نیند تھوڑی کرو ان تینوں میں سے پہلی بنیادی چیز ہے۔ یعنی تھوڑا کھانا۔ جب تک بھوک نہ لگے نہ کھائیں۔ ابھی کچھ بھوک باقی ہو کھانا چھوڑ دیں۔ صوفیہ

کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانے والا نورِ باطن سے محروم ہوجاتا ہے اور پیٹ کو قدرے خالی رکھنے والا اپنے سینے میں عبادت کا نور محسوس کرتا ہے چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں ۔

چوں خوری یک لقمہ از نانِ نور
خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور

یعنی جب تم نور کی روٹی کا ایک لقمہ کھاؤ گے تنور کی روٹی کے سر پر خاک ڈالو گے ۔ یعنی جب سینے میں نور محسوس ہوگا تو تمہیں وہ لطف و سکون نصیب ہوگا جس کا بیان نہیں اور تنور کی روٹی سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی ۔ تنور کی روٹی ضرورت کی حد تک رہے گی جسے قوت لایموت کہتے ہیں ۔ یعنی اس قدر کھانا جس سے زندہ رہیں اس لیے روزے کو حدیث میں صحت و تندرستی کا باعث قرار دیا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں " صُومُوا تَصِحُّوا "، کہ روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ ۔ زیادہ کھانے سے غفلت پیدا ہوتی ہے ۔ نفس موٹا ہوتا ہے اور سرکشی پر اترتا ہے ناجائز خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے ۔ شیطان کو وسوسہ کا موقع میسر آتا ہے اور وہ انسان پر سوار ہو جاتا ہے ۔ شیطان اور نفس کے شر سے بچنے کا پہلا ذریعہ پرخوری یعنی پیٹ بھر کر کھانے سے پرہیز کرنا ہے اس سے عالم بالا یعنی انوار کے جہاں کے دروازے کھلتے اور غیب کی باتیں منکشف ہونے لگتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے

لَوْلَا اَنَّ الشَّیَاطِیْنَ یَحُوْمُوْنَ عَلٰی قُلُوْبِ بَنِیْ — اگر شیاطین انسانوں کے دلوں پر نہ منڈلائیں تو وہ آسمانوں کی

اَدَمَ لَنظُرُوا اِلٰی مَلَکُوتِ السَّمٰوٰاتِ۔ بادشاہی کا نظارہ کریں۔

(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۸۳)

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حدیث میں ہے کہ شیطان انسان کے اندر خون کی جگہ گردش کرتا ہے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے جیساکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا

"خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ" (سورہ اعراف ۱۲)

کہ اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اور آگ سخت گرم ہے اگر شیطان، انسان کے جسم میں گھس جاتا ہے تو انسان کو جل جانا چاہیئے یا کم از کم اپنے اندر غیر معمولی گرمی محسوس کرنا چاہیئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا یہی حال جنات کا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے مگر بعض انسانوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کو دورے پڑتے ہیں مگر کوئی حرارت اور گرمی نہیں ہوتی؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ آگ کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص آگ میں داخل ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ کی تاثیر کو ناکارہ کر دے اور اسے آگ نہ جلائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور اس کی تاثیر کو ناکارہ فرما دیا یہاں بھی یہی صورت ہے کہ انسانوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیاطین و جنات کو انسانوں کے جسم میں داخل ہونے کی قدرت تو دیدی مگر ان کی جلانے والی تاثیر کو انسانوں کے حق میں ناکارہ فرما دیا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کا آگ سے پیدا ہونا ایسا ہے جیسا انسان کا مٹی سے پیدا ہونا تو انسان مٹی سے پیدا ہونے کے باوجود مٹی نہیں ہے یوں ہی جنات

شیاطین آگ سے پیدا ہونے کے باوجود آگ نہیں ہیں۔

کیا جنّات و شیاطین غیب جانتے ہیں؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں یا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جنات و شیاطین غیب جانتے ہیں اس لیے جب کسی پر کوئی جنات کا دورہ پڑتا ہے تو اس سے غیب کی باتیں پوچھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن یہ خیال و عقیدہ غلط ہے اور قرآن و سنت کے خلاف۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ — اگر جنات غیب جانتے ہوتے
مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔ — تو اس خواری کے عذاب میں نہ پڑے ہوتے۔
(السبا : ۱۴)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تھی اور جنوں کو اس کام پر لگایا تھا۔ ابھی رنگ و روغن کا کام باقی تھا کہ آپ کی موت کا وقت قریب آگیا تو آپ نے دعا کی کہ یا اللہ مسجد کی تکمیل (رنگ و روغن) کا کام باقی ہے۔ آپ کو حکم ہوا کہ نماز کی نیت باندھ لیں۔ چنانچہ آپ نماز میں کھڑے ہو گئے لاٹھی کی ٹیک لگائی اسی حالت میں روح شریف قبض ہو گئی اور آپ لاٹھی کے سہارے ایک سال تک کھڑے رہے۔ جنات کو آپ کی موت کا شک نہ ہوا کیونکہ آپ پہلے بھی کئی کئی دن تک نماز پڑھتے اور قیام میں رہتے تھے اس لیے وہ برابر کام میں لگے رہے ایک سال کے بعد دیمک نے آپ کی لاٹھی کھالی جس سے لاٹھی گر گئی اور آپ کا جسم مبارک بھی زمین پر آگیا۔ تب جنات کو آپ کی موت کا علم ہوا اور وہ بھاگ گئے اس وقت تعمیر و رنگ و روغن

کا کام بھی مکمل ہو چکا تھا۔

معلوم ہوا کہ جنات اور شیاطین غیب کا علم نہیں جانتے اور قرآن میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے نبیوں اور رسولوں کو غیب کا علم عطا کرتا ہے۔

نبیوں اور رسولوں کو علمِ غیب دیا گیا

امت کا عقیدہ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کو علمِ غیب دیا گیا چنانچہ قرآن مجید میں ہے

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاءُ۔

اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

(سورہ آلِ عمران ۱۷۹)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب عطا کیا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ:

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الخ۔

وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(سورہ جن ۲۶)

نیز اہلسنت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسولوں کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ

اولیا کرام کو بھی غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے اور ان پر غیب کے دروازے کھول دیتا ہے اور وہ غیب کو معلوم کر لیتے ہیں اس سلسلے میں اولیا کرام کے واقعات کہ انہوں نے غیب کی خبریں دیں حد تواتر کو پہنچتے ہیں اس کا منکر گمراہ ہی ہو سکتا ہے۔

کیا جنّات کو تابع کیا جا سکتا ہے؟

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا جنات کو تابع کیا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے یعنی تابع کیا جا سکتا ہے بعض ایسے وظائف ہیں کہ ان پر ان کے مخصوص طریقہ سے عمل کیا جائے تو وہ تابع ہو جاتے ہیں اور ان سے کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ بہت سے عاملین کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں کہ انہوں نے اپنے عمل سے جنات کو تابع کیا۔ ایک صاحب کا واقعہ میرے دوست مولانا مفتی غلام مصطفےٰ رضوی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ہوا میں ہاتھ بڑھایا تو کئی قسم کے پھل ان کے ہاتھ میں آگئے اور انہوں نے ان کے سامنے کئی قسم کے کھانے منگوا کر ان کے سامنے رکھے اور وہ حیرت میں پڑ گئے۔ آخر انہوں نے خود ہی بتایا کہ انہوں نے کئی ایک سال تک کچھ وظائف کیئے جس سے جن ان کے تابع ہو گئے اسی طرح راقم ملتان کے علاقہ کے ایک صاحب سے ملا جو جنات کو بھیج کر کئی ایک باتیں معلوم کر لیتے تھے مثلاً ان کے پاس کوئی شخص جاتا تاکہ اپنے مریض کے بارے میں پوچھے وہ اس کا نام و پتہ پوچھتے۔ اس دوران جن چلا جاتا اور اس کے مریض کی حالت و کیفیت دیکھ کر آجاتا اور اس عامل کو بتا دیتا لیکن سائل کو اس حقیقت کا علم نہ ہوتا تو عامل اس کے مریض کا نام صورت حلیہ اور

دیگر کوائف بتا دیتا۔ جس سے سائلان حیرت میں پڑ جاتے۔ راقم نے اس عامل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس نے وظیفہ کے ذریعے جن کو تابع کیا ہے مگر شریعت میں ایسا کرنا منع ہے کیونکہ اس سے جنوں کو غیر فطری طور پر تابع کرنے سے ان کی آزادی کا حق مجروح ہوتا ہے جس سے ان کی حق تلفی ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ موقع پاکر عامل کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں بلکہ پہنچاتے ہیں۔ اس لیے علماء دین اور اصحاب شریعت ایسی لغویات کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ بلکہ اسے باعث گناہ سمجھتے اور اس کی اجازت نہیں دیتے البتہ ایسے وظائف اور تعویذات ضرور ہیں کہ ان کے کرنے سے جنات کے شر سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے اور بعض علماء دین کے واقعات ہیں راقم نے پڑھا ہے کہ ان سے جنات تعلیم بھی حاصل کرتے تھے امام غزالی علیہ الرحمتہ کے پاس بھی کچھ جن پڑھتے تھے امام غزالی کا جن کے ذریعے علامہ زمخشری کی تفسیر کا منگوانا پھر اسے جنات سے متعلق ایک مسئلہ کا قائل کرنا مشہور واقعہ ہے۔

(۵) استعاذہ کے اسباب و انواع

استعاذہ کا پانچواں رکن یا استعاذہ کے اجزاء ترکیبیہ میں سے پانچواں جزء، استعاذہ کے اسباب ہیں اور ساتھ ہی استعاذہ کے انواع اقسام کا تذکرہ بھی ہوگا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انسان کی ضروریات و حاجات لامحدود ہیں۔ کوئی بھلائی ایسی نہیں جس کے حصول کا انسان محتاج نہ ہو۔ اور کوئی شر یا برائی ایسی نہیں کہ

کہ جس سے بچنے اور دور رہنے کا انسان غرض مند نہ ہو۔ پس جب انسان "اَعُوذُ بِاللّٰہ" (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) کہتا ہے تو وہ ہر قسم کے شر سے خواہ جسمانی ہو یا روحانی، کنارہ کشی چاہتا ہے اور انہیں اپنے آپ سے دفع کرنا اور دور رکھنا چاہتا ہے لیکن ہم ان تمام شرور اور خرابیوں کی بنیادوں کا تذکرہ کرتے ہیں جو فسادِ عقیدہ کی بنیاد ہیں

جن شرور سے پناہ مانگی جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں

انسان "اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" کہہ کہ جن شرور سے شیطان پناہ مانگتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں

ایک وہ شرور اور خرابیاں جن کا عقائد یا اعتقادات سے تعلق ہے اور اعتقادات یا عقائد کا تعلق دل سے ہے اور دوسرے وہ شرور اور وہ خرابیاں ہیں جن کا تعلق انسان کے عمل سے ہے جو انسان کے جسم یا بدن کے ذریعے وجود میں آتی ہیں۔ اب ہم پہلے ان شرور کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق انسان کے عقیدہ سے ہے اس لیے پہلے عقیدہ کی تعریف بھی کرنا ہوگی تاکہ قارئین کو اس سے متعلقہ حقائق کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

عقیدہ کی تعریف اور اس کی قسمیں

لفظِ عقیدہ عَقَدَ یَعْقِدُ (ض) عَقْدًا" سے ماخوذ ہے جس کے معنی گرہ لگانے کے ہیں اور "عُقْدہ" گرہ کو کہتے ہیں اور عَقد" عہد کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے اَوْفُوا بِالْعُقُوْدِ۔

یعنی وعدے پورے کرو یعنی انسان اگر کسی سے جائز یا اچھی بات کا وعدہ کرے تو اس کو چاہیے کہ اسے پورا کرے۔ اور عِقْد کے معنی گلے کے ہار کے ہیں

اور اصطلاح شریعت میں عقیدہ اس بات کو کہتے ہیں جس کی دل سے تصدیق کی جائے۔ نبراس میں ہے کہ

العقائد جمع عقیدۃ وھی القضیۃ التی یصدق بھا (نبراس ص۱۳)

عقائد، عقیدہ کی جمع ہے اور عقیدہ اس بات کو کہتے ہیں جس کی تصدیق کی جائے۔

اور ملا احمد شرح شرح عقائد میں ہے کہ

العقائد المسائل التی یقصد بھا نفس الاعتقاد۔

عقائد وہ مسائل ہیں جن سے محض اعتقاد مقصود ہے۔

یعنی ان مسائل کا تعلق عمل سے نہیں ہوتا بلکہ اعتقاد دل کی تصدیق اور دل کے یقین سے ہوتا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت

عقیدہ نہایت ہی اہم چیز ہے جب تک عقیدہ و ایمان درست نہ ہوگا تب تک عمل قبول نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تعلیم سے بھی پہلے عقیدہ و ایمان کی تعلیم دیتے تھے چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ہے حضرت جُندُب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

کنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فتیان حزاورۃ فتعلمنا الایمان قبل ان نتعلم القرآن ثم تعلمنا القرآن فازددنا بہ ایمانا (سنن ابن ماجہ ص۷)

ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور ہم طاقتور جوان تھے تو ہم نے ایمان و عقیدہ سیکھا اس سے پہلے کہ ہم قرآن سیکھیں پھر ہم نے قرآن سیکھا تو اس سے ہمارا ایمان زیادہ ہوا۔

اس حدیث پر شاہ عبد الغنی محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ متوفی ۱۲۹۵ھ "انجاح الحاجہ" میں لکھتے ہیں کہ:-

استفید منہ اَنّ تعلم علم العقائد قبل تعلم الفقہ والقرآن۔	اس حدیث سے یہ فائدہ ہوا کہ عقائد کا سیکھنا، فقہ اور قرآن کے سیکھنے سے پہلے ہے

(صفحہ ۷، حاشیہ نمبر ۶)

محدث دہلوی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ انسان کو چاہیے کہ قرآن اور فقہ کے علم سے پہلے عقیدہ و ایمان کا علم سیکھے۔ عام پڑھے لکھے اردو خواں حضرات کے لیے "بہارِ شریعت" کا پہلا حصہ مصنفہ حکیم الامت قطب الاقطاب امام الفقہاء والمحدثین سیدنا و مولانا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمتہ علیہ متوفی سنہ ۱۳۴۰ھ کی تصدیق شدہ ہے۔ عقائدِ اہلسنت میں اردو زبان میں اس سے جامع اور بہتر کوئی کتاب نہیں۔

عقائد کی دو قسمیں

عقائد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جسے محض عقل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کا ثبوت قرآن و سنت کی نصوص و عبارات پر موقوف ہے جیسے قبر کا عذاب و ثواب، حوضِ کوثر اور پل جیسے الفاظِ عوام میں "پل صراط" کہتے ہیں اور شفاعت اور عقائد دوسری وہ قسم ہے جسے محض عقل سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ہستیٔ باری تعالیٰ، اس کی وحدانیت، اس کا علم اور اس کی قدرت اور جہان کا حادث و فانی ہونا۔ عقائد کی یہ قسم اگرچہ اثبات کی حیثیت سے قرآن و سنت کی نصوص و عبارات پر موقوف نہیں ہے تاہم معتبر ہونیکی حیثیت سے وہ قرآن و سنت کی نصوص و عبارات پہ موقوف ہے۔

کیونکہ وہ عقلی مسائل جن کے حق ہونے کی شہادت شریعت نہیں دیتی وہ عقائد میں معتبر نہیں (نبراس)

عقائد قطعیہ وظنیہ

پھر عقائد کی دو قسمیں

پھر عقائد کی یا مسائل اعتقادیہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم قطعی ہے جس میں شرعی طور پر یقین کا حاصل کرنا ضروری ہے یعنی ان پر یقین لانا ازحد ضروری ہے ان عقائد میں ہلکا سا شک بھی کفر قرار پایا ہے یہ عقائد قطعیہ ہیں جیسے وجودِ باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وخاتمیت و دیگر ضروریات دین. اور عقائد کی دوسری قسم ظنی ہے جس میں یقین حاصل کرنا ممکن نہیں بلکہ وہ ظن کی حد تک عقائد کا حصہ ہیں۔ جیسے انبیاء و رسل کا فرشتوں سے افضل ہونا کہ یہ قطعی نہیں جس کا انکار کفر ہو بلکہ یہ ظنی ہے اس کا منکر گمراہ ہے کافر نہیں۔ ایسے ظنی مسائل میں ظن کی اتباع جائز ہے کیونکہ متکلمین (ماہرین علم وعقائد) بہ اتفاق اس قسم کے عقائد کو کتبِ عقائد و کلام میں لاتے ہیں اگر عقائد میں ظن جائز نہ ہوتا تو ان ظنی مسائل کو کتبِ عقائد میں نہ لایا جاتا اور یہ جو بعض متکلمین کے کلام میں ہے کہ "عقائد میں دلائل ظنیہ کا کوئی اعتبار نہیں" اس کی کوئی وجہ نہیں (کما فی النبراس صد ۲۴) اور شرح عقائد میں لکھتے ہیں وَلَا خِفَاءَ فی انّ ھٰذِہِ المسئلۃ ظنیۃ یُکْتَفٰی فِیھا بالادلۃ الظنیۃ:

کہ انبیاء و رسل کرام علیھم السلام کا فرشتوں سے افضل

ہونے کا مسئلہ ظنیہ ہے اس میں ظنیہ دلائل پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ
معتزلہ اور فلاسفہ اور بعض اشاعرہ جیسے قاضی ابوبکر باقلانی، ابو عبداللہ حلیمی
استاذ ابو اسحاق اسفرائنی اور شیخ محی الدین ابن العربی صاحب فتوحات
مکیہ ملائکہ علویہ (آسمانوں کے فرشتوں) کو انبیاء ورسل بشر سے افضل
قرار دیتے ہیں لیکن یہ اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے
انبیاء ورسل کرام علیہم السلام میں ہے۔ جہاں تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذاتِ اقدس کا تعلق ہے تو اس میں پوری امت کا اجماع ہے کہ آپ
تمام انبیاء ورسل اور تمام فرشتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (کما فی النبراس)

غرضیکہ عقائد بڑی اہمیت رکھتے ہیں عقیدہ کی تصحیح نہایت نہایت
نہایت ضروری ہے اور شیطان کا سب سے بڑا اور اولین حملہ انسان
کے عقیدہ میں فساد ڈالنا ہے۔ قاری جب "اعوذ باللہ" پڑھے تو
اسے دل میں یہ نیت کرنا چاہیے کہ وہ عقائد باطلہ سے بھی پناہ مانگتا ہے
اور عقائد باطلہ بہتر ۷۲ فرقوں کے عقائد ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
دوزخی قرار دیا اور ایک فرقہ تہترواں ۷۳ جنتی بتایا اور ان کا نام بھی اہلسنت
وجماعت خود ہی ارشاد فرمایا اس کی تفصیل ہماری کتاب "پروفیسر
طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ" حصہ دوئم میں ملاحظہ فرمائیں۔ شیطان رجیم
میں وہ تمام گمراہ فرقے داخل ہو گئے جو بہتر ۷۲ کی تعداد میں ہیں جو اپنے آپ
کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت سے قرار دیتے ہیں جبکہ فی الواقع
وہ امت مسلمہ یا امتِ اجابت میں سے نہیں ہیں بلکہ امت دعوت میں
سے ہیں۔ امتِ مسلمہ و امتِ اجابت صرف اور صرف اہلسنت وجماعت

ہیں جو صحابہ کرام، تابعین و اتباع تابعین و ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ مجتہدین اہلسنت چاروں اصحاب سلاسل اور برصغیر ہند و پاک میں حضرت داتا گنج بخش و حضرت خواجہ معین الدین اجمیری و حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی و حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی و حضرت مجدد الف ثانی و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و شاہ رؤف احمد صاحب تفسیر رؤفی و شاہ رفیع الدین محدث دہلوی و شاہ احمد رضا محدث بریلوی و شاہ نذیر احمد خان محدث دہلوی صاحب امطار الحق رحمھم اللہ ایسے بزرگوں کے ہم عقیدہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں اور ان بزرگوں کے عقائد و مسلک سے ہٹ کر چلنے والے چکڑالوی، مرزائی، قادیانی مرتدین — وہابی، پرویزی، رافضی و شیعہ وغیرہم ان بہتر فرقوں میں سے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنمی قرار دیا (معاذ اللہ) اور ان کے علاوہ جو امت سے علانیہ خارج ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے ہیں ان کی تعداد سات سو سے زائد ہے۔ "اعوذ باللہ" میں جو استعاذہ ہے وہ ان مذکورہ بالا تمام کی تمام فرقوں کو شامل ہے جو اہلسنت نہیں ہیں (کما فی التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۹۰) یعنی شیطان رجیم کا تصور ان سب گمراہوں کو شامل ہے کیونکہ یہ سب شیاطین ہیں لہٰذا اعوذ میں ان سب سے خدا کی پناہ چاہے کیونکہ ان کی رفاقت دوزخ میں لے جائے گی (معاذ اللہ)

اب ہم ان سب شرور اور ان خرابیوں کا تذکرہ کرنے لگے ہیں جن کا تعلق انسان کے جسمانی و بدنی اعمال سے ہے۔

اعمالِ بدنیہ کی قسمیں

انسان کے بدنی و جسمانی اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس سے انسان کے دین کو نقصان پہنچتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس سے انسان کو دنیوی نقصان پہنچتا ہے۔ دین کو نقصان پہنچانے والی وہ تمام چیزیں اعمال ہیں جن سے اللہ تعالٰے نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا جیسے چوری، زنا، جھوٹ، خیانت، قتل، غیبت، بہتان تراشی اور شراب نوشی و جوا بازی اور ترک نماز و ترک روزہ اور ترک دیگر فرائض ایسے تمام کام جن کے کرنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے ان میں سے کسی بھی ایک کے کرنے سے انسان کے دین کو نقصان ہوتا ہے اس کا رابطۂ اسلام اور رشتۂ ایمان کمزور پڑ جاتا ہے، دل پہ زنگ اور میل آجاتی ہے، انسان خدا تعالٰے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا نشانہ ہو جاتا ہے، خدا تعالیٰ کی رحمت اسکی دستگیری نہیں کرتی بلکہ اس شخص پہ اس کا قہر و غضب برسنے لگتا ہے، تا وقتیکہ وہ اس حرکت سے سچے دل سے توبہ کر کے آیندہ کے لیے اپنے آپ کو درست کر لینے اور سنوارنے کا عہد نہ کر لے اور دوسری قسم وہ ہے جس سے انسان کو دنیوی اعتبار سے نقصان پہنچتا ہے جیسے تمام تکلیفیں، بیماریاں، مصیبتیں، تنگدستی وغیرہ ایسی مشکلات جو انسان کی صحت و تندرستی کو نقصان دیں۔ یا اس کے مال و کاروبار میں خسارے کا باعث بنیں، جب انسان "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" پڑھے تو اسے چاہیئے کہ ان تمام اعمال اور تمام گمراہ فرقوں سے بھی خدا کی پناہ چاہے جو اسکے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اسکی دنیا کو برباد کرتے ہیں جنکی تعداد اسلام میں ۷۲، بہتر۔

اور اسلام سے باہر سات سو اور اس سے کچھ زائد ہے۔
چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں:

وَیدخل فی ہذہ الجملۃ مذاہب فرق اہل الضلال فی العالم وھی اثنتان وسبعون فرقۃ من ھذہ الامۃ وسبعمائۃ واکثر خارج عن ھذہ الامۃ (الیٰ ان قال) ویدخل فی ھذہ الجملۃ مذاہب اھل الکفر واھل البدعۃ علیٰ کثرتھا وثانیھا الفسق

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۹۰)

اور اس جملہ میں جہان میں موجود گمراہ فرقے داخل ہیں اور یہ اس امت کے بہتر فرقے ہیں اور اس امت سے باہر سات سو اور اس سے بھی زیادہ (آگے چل کر فرماتے ہیں) اور تمام کفر و بدعت اور گمراہی والے فرقے اپنی کثرت کے باوجود اس جملہ میں داخل ہیں اور اور ان تین قسموں میں سے دوسرا قسم فسق و فجور اور خلاف شرع حرکتیں ہیں (اور تیسرا قسم مکروہات و آفات اور خطرناک چیزیں ہیں جن سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے)

اعوذ باللہ کہتے ہوئے ان سب سے خدا کی پناہ چاہنا چاہیئے۔
یہاں سے معلوم ہوا کہ بہتر فرقوں والی حدیث کا تعلق صرف ان فرقوں سے ہے جو اسلام کے دعویدار ہیں اسلام سے باہر کے فرقوں کی تعداد تو سات سو سے بھی زائد ہے ان سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

"اعوذ باللہ" سے متعلق کچھ نکات ہیں جنہیں قارئین کے علمی و عرفانی و روحانی افادیت کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا نکتہ

(اعوذ باللہ) میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ اس میں مخلوق سے خالق اور ممکن سے واجب کی طرف عروج و ترقی ہے معرفتِ خداوندی کے حصول کے لیے ابتدائی طور پر یہی ایک راہ معین ہے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ انسان مخلوق کے احتیاج کو خدائے غنی و قادر کی ہستی کی دلیل قرار دے کر اس کی طرف رجوع کرے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ "عرفت ربی بفسخ عزائمی" کہ میں نے خدائے برتر اور غنی و قادر کو اس بات سے پہچانا کہ بعض اوقات میرے عزائم و ارادوں میں وہ حائل ہو جاتا ہے اور میں اپنے عزائم و ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہ جاتا ہوں اور میرے بنے بنائے پروگرام دھرے رہ جاتے ہیں، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ماورائی طاقت ایسی ضرور ہے جس کے ہاتھ میں کامیابیوں کی کنجی ہے جب تک اس کی مشیت نہ ہو کسی کا عزم و ارادہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اور اس ماورائی طاقت و ہستی کا نام "اللہ" جل شانہ ہے۔ اعوذ میں انسان کی مکمل احتیاج و کمزوری کا اعتراف ہے اور "باللہ" میں خدائے قدوس کا اسمِ گرامی "اللہ" اس کے غنائے تام اور کامل بے نیاز ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بندے کا "اعوذ" کہنا اپنے حق میں فقر و احتیاج کا کامل اعتراف ہے گویا بندہ

"اعوذ باللہ" کہہ کر دو باتوں کا اعتراف کرتا ہے ایک یہ کہ حق تعالیٰ بندے کو ہر بھلائی کے عطا کرنے اور اس سے ہر بلا و مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کسی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو ہر بھلائی عطا کرنے اور اس سے ہر مصیبت و تکلیف کے دور کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بھلائیوں کے دینے والا اور مصیبتوں کے دور کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، پس بندہ جب اس حقیقتِ حال کا ادراک کرتا اور اس صورتِ حال کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی اعتماد کے رشتے توڑ کر خدائے برتر و قادر مطلق کی طرف راہِ فرار اختیار کرتا اور اس کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے تو وہ اس فرار میں، اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی فَفِرُّوْآ اِلَی اللّٰہِ ط تو اللہ کی طرف بھاگو۔ کے راز کا مشاہدہ کرتا ہے اور بندہ جب ان لطائف و نکات کو اپنے دل و دماغ میں حاضر و موجود کر کے "اعوذ باللہ" کہتا ہے تو اسے یہ روح پرور اور جانفزا حالت نصیب ہوتی ہے جس کے بعد وہ بارگاہِ حق میں رسائی پاتا اور حق تعالیٰ کے جلال و عظمت کے نور میں ڈوب جاتا ہے اور "قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْہُمْ (الانعام) "اللہ، کہو پھر انہیں چھوڑ دو" ارشاد خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس وقت اس کی زبان پر آجاتا ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ"

دوسرا نکتہ

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بندے کا "اعوذ باللہ" کہنا اپنی عاجزی کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف ہے اور بندے کا یہ اقرار و

اعتراف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بارگاہِ خدائے قدوس کے قرب کا ذریعہ اس کے حضور عجز و انکسار کے سوا کوئی نہیں پھر ارشادات نبویہ (صلوات اللہ علی صاحبہا وسلامہ) میں سے آپ کا ارشاد گرامی ہے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔

یعنی جس نے اپنی ذات کو کمزوری اور کوتاہی سے پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ وہی ہر مقدور پر قدرت رکھنے والا ہے اور جس نے اپنی ذات کو جہل و نادانی سے پہچانا اس نے اپنے رب کو علم و فضل اور عدل سے پہچان لیا اور جس نے اپنے آپ کو فسادِ حال سے پہچانا اس نے اپنے رب کو کمال و جلال سے پہچان لیا اور جس نے اپنے آپ کو فنا سے پہچانا اس نے اپنے رب کو بقا سے پہچان لیا۔

چنانچہ قرآنِ کریم میں ہے:۔

وَمَن یَّرغَبُ عَن مِّلَّةِ ابرٰهِیمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ (البقرہ) اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے۔

ان کی تفسیر میں مولانا امام سلطان بن علی القاری فرماتے ہیں۔

سَفِهَ نَفْسَهٗ اَی جهلها حیث لم یعرف ربها۔ یعنی اپنے نفس کی پہچان سے جاہل رہا کیونکہ اپنے رب کو نہ پہچانا

(الموضوعات الکبیر صـ۸۲)

یعنی اگر اپنے آپ کو پہچان لیتا تو اپنے آپ کو پہچان لیتا لیکن اپنے رب کو نہ پہچانا کیونکہ اپنے آپ کو نہ پہچانا اس کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ

کی معرفت سے وہی بے بہرہ ہوگا۔ جس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا ہوگا اور علم و دانش اور تحقیق و تسلیم کی دنیا میں "اعوذ باللہ" میں لفظ "اعوذ" میں نفس حقیر کی معرفت اور "باللہ" میں رب قدیر کی معرفت ہے۔

تیسرا نکتہ

"اعوذ باللہ" میں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ شیطان سے بھاگ نہ جائے اور بندہ کا "اعوذ باللہ" کہنا شیطان سے بھاگنا ہے۔

چوتھا نکتہ

تعوذ میں چوتھا نکتہ رمز و بھید ہے یعنی "استعاذہ" کا فلسفہ و حکمت اور اس کا رمز و بھید یہ ہے کہ بندہ قادر و مطلق سے التجا کرتا ہے کہ وہ آفات و بلیات کو اس سے دور رکھے پھر سب سے اہم چیز جس میں شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ تلاوتِ کلام الٰہی ہے کیونکہ جو شخص قرآن پڑھتا اور اس سے خدائے رحمٰن و رحیم کی عبادت کی نیت کرتا ہے اور اس کے وعدو وعید، اس کی آیات اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرتا ہے۔ طاعات و عبادات میں اس کی رغبت بڑھتی ہے اور حرام و ناجائز کاموں سے اس کے خوف میں اضافہ ہوتا ہے اسی لیے تلاوتِ کلام الٰہی اور قراءۃ قرآن کریم عظیم ترین عبادات قرار پائی ہیں تو شیطانِ رجیم بندے کو اس عبادت سے روکنے کی نہایت ہی کوشش کرتا ہے۔ اس صورت میں بندے کو ایسی ہستی کی اشد ضرورت و حاجت ہوتی ہے جو اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھے پس

اسی حکمت و فلسفہ کی رو سے قراءۃ قرآن کو استعاذہ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم قرآن کریم کی تلاوت قراءۃ کا ارادہ کرو تو شیطان رجیم سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہو۔

پانچواں نکتہ، تعوذ و تسمیہ کا باہمی ربط

تعوذ میں پانچواں نکتہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا۔ (فاطر ۶) — بے شک شیطان انسان کا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو

اور خدائے رحمٰن انسان کا دوست اس کا خالق اور اس کی مشکلات کو سنوارنے والا ہے پھر انسان اطاعت و عبادات میں شروع ہوتے وقت اپنے دشمن سے ڈرتا ہے تو وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے مالک کی رضا و خوشنودی حاصل کرے تاکہ وہ اسے اس دشمن کی زحمت و مصیبت سے چھوڑائے پس جب بندہ اپنے مالک کی بارگاہ میں جا پہنچا اور طرح طرح کے سرور، کرامات، اعزازات اور انعامات کا مشاہدہ کیا تو دشمن کو بالکل بھول کر مکمل طور پر محبوب حقیقی کی خدمت پر متوجہ ہوگیا۔ پس پہلا مقام محبوب حقیقی کی طرف فرار ہے اور وہ اس کا " اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم " کہنا ہے اور دوسرا مقام شہنشاہ جبار کی بارگاہ میں حصولِ قرار ہے اور وہ اس کا " بسم اللہ الرحمٰن الرحیم " پڑھنا ہے۔

چھٹا نکتہ

تعوذ یا استعاذہ سے متعلق چھٹا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ — اسے نہ چھوئیں مگر باوضو

(الواقعۃ ۷۹)

تو دل جب غیر اللہ سے متعلق ہوا اور زبان پر غیر اللہ کا ذکر جاری ہوا تو اس میں ایک طرح کی برائی پیدا ہوگئی پس اسے پاک کرنے کے لیے طہور (جس سے زبان کو اور دل کو پاک کیا جائے) کا استعمال ضروری ہوگیا تو بندے نے جب کہا۔ "اعوذ باللہ"، تو اس سے اس کا دل اور اس کی زبان دونوں پاک ہوگئے اس کے بعد ہی وہ حقیقی نماز کے قابل ہوگیا اور حقیقی نماز ذکرِ الٰہی ہے پس وہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

ساتواں نکتہ

تعوذ و استعاذہ سے متعلق ساتواں نکتہ یہ ہے کہ انسان کے دو دشمن ہیں۔ ایک ظاہری دشمن ہے اور دوسرا باطنی دشمن۔ اور انسان کو ان دونوں سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ ظاہری دشمن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ — لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جس کو

وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ۔
حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے۔

(التوبہ ۲۹)

اس میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور بے دینوں سے لڑنے کا حکم دیا جو ایک مسلمان انسان کے ظاہری دشمن ہیں۔ اور باطنی دشمن کے بارے میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر: ۶)
بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو اسے دشمن سمجھو۔

تو گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ تم جب ظاہری دشمن سے لڑو گے تو فرشتے تمہاری مدد کو آئیں گے۔ چنانچہ جنگِ بدر میں فرشتے مدد کو آئے۔ قرآن میں ہے۔

یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ مُسَوِّمِیْنَ ○ (آل عمران: ۱۲۵)
تو تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

چنانچہ مسلمانوں نے بدر کے روز صبر و تقویٰ سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے حسبِ وعدہ پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیجی اور مسلمانوں کی فتح اور کافروں کی شکست ہوئی۔

اور جب باطنی دشمن (شیطان) سے لڑو گے تو خدائے بزرگ و برتر براہِ راست خود تمہاری مدد فرمائے گا۔ پھر باطنی دشمن شیطان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جس میں وہ شیطان سے فرماتا ہے۔

اِنَّ عِبَادِی لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا۔	بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر ترا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کام بنانے کو کافی ہے۔

(الاسراء ۶۵)

یعنی انہیں تجھ سے اور تیرے شر سے محفوظ رکھے گا اور تیرے مکروفریب کو ان پر کارگر نہیں ہونے دے گا تو جب بندہ " اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم " کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کی پُشت پناہ ہوتی ہے جس سے شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے نیز باطنی دشمن سے جہاد و جنگ کا درجہ ظاہری دشمن کے ساتھ جہاد و جنگ سے بہت ہی بلند و بالا ہے کیونکہ ظاہری دشمن اگر موقع پاتا ہے تو انسان کا مالی یا جسمانی نقصان کرتا ہے اور یہ اس کا دنیا کا نقصان ہے اور باطنی دشمن اگر موقع پاتا ہے تو انسان کے دین و ایمان کو نقصان پہنچاتا ہے اور یہ اس کا آخرت کا نقصان ہے جو دنیا کے نقصان کے مقابلہ میں سخت اور انتہائی سخت بلکہ ناقابل برداشت نقصان ہے۔ دنیا کے نقصان کی تلافی ہوسکتی ہے لیکن جب روزِ آخرت کسی کے سامنے اس کی آخرت کا نقصان آئے گا تو وہ اس کی تلافی کرنے پر قادر نہ ہوگا۔ لہٰذا جو مجاہد اپنے باطنی دشمن سے جنگ کرتا اور اس سے اپنے دین و ایمان کے سرمایہ کو بچاتا ہے اس کا درجہ اس مجاہد سے بہت ہی اونچا ہے جو ظاہری دشمن سے جنگ کرتا ہے۔ اس لیے تیر و تلوار اور گولے بارود کے ذریعے کافروں (ظاہری دشمنوں) سے لڑنے والوں سے ان کا مقام اونچا ہے جو باطنی دشمن (نفس و شیطان) سے لڑتے اور اپنے دین و ایمان کو اس کے شر سے محفوظ رکھتے

ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں پھر ان دونوں سے علمار اہلسنت و فقہار دین وملت کا مقام کئی درجے بلند و بالا ہے جو اپنے علم کے ذریعے نہ صرف اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ دوسرے لوگوں کی راہنمائی کر کے ان کے دین و ایمان کی حفاظت کا سبب بھی بنتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط

اور بلند کرتا ہے اللہ تعالےٰ تم میں سے ایمان والوں کو اور ان کو جنہیں علم دیا گیا درجوں بلند کرتا ہے۔

(المجادلہ ۱۱)

تفسیر منظہری میں ہے اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ " العلماء مِنْهُمْ خَاصۃ (ج ۲۸ ص ۲۲۲) یعنی علم والوں سے مراد خاص طور پر علمار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی درجے بلندی بخشی ہے پھر فرماتے ہیں کہ چونکہ علمار دین علم و عمل کو اپنے اندر جمع کرتے ہیں یعنی ان میں علم بھی ہوتا ہے اور عمل بھی، تو جس قدر ان کو ثواب ملتا ہے دوسرے مسلمانوں کو نہیں ملتا۔ ان کو اپنا ثواب بھی ملتا ہے اور ان سب کے ثواب کے برابر ثواب بھی جو ان کی ہدایت و تلقین پر نیک کام کرتے ہیں جبکہ ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لوگوں کو اچھے راستہ کی ہدایت کی اور اچھے کام کی بنیاد ڈالی۔ اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ثواب کے برابر مزید ثواب بھی۔

بغیر اس کے اجروثواب میں کوئی کمی آئے (صحیح مسلم) دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم دین کا درجہ ایک غیر عالم عبادت گزار انسان کے مقابلہ میں اس قدر اونچا ہے جس قدر میرا درجہ تم میں سے ایک ادنیٰ درجہ کے انسان سے (ترمذی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ عالم دین کی فضیلت اور قدر و منزلت ایک عبادت گزار انسان کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت دوسروں ستاروں کے مقابلہ میں اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دنیا و درہم کا وارث نہیں بنایا یعنی اپنے پیچھے دنیا و درہم نہیں چھوڑے تھے۔ انہوں نے تو علم کا وارث بنایا یعنی اپنے پیچھے علم چھوڑا تو جس نے علم دین سیکھا عالم ہو گیا تو اس نے نبیوں کی بہت بڑی میراث پالی (رواہ احمد)

اور ایک حدیث میں ہے "نوم العالم عبادۃ" کہ عالم دین کی نیند عبادت ہے اور دوسری حدیث میں ہے نوم العالم خیرٌ مِنْ عبادۃ العابد" کہ عالم دین کی نیند عبادت گزار کی عبادت سے بہتر ہے۔ جب عالم کی نیند عبادت گزار کی عبادت سے بہتر ہے تو عالم کی عبادت کا کیا مقام ہو گا۔ ایک اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً وَّاحِدَةً خَيْرٌ مِّنْ اَحْيَائِهَا " کہ عالم دین کا ایک لمحہ کا درس قرآن وسنت و درس شریعت، رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرنے سے بہتر ہے (مشکوۃ کتاب العلم) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مسجد میں بیٹھے دو گروہوں سے ہوا۔ ان میں سے ایک ذکر الٰہی میں مصروف تھا اور دوسرا گروہ علم کو پڑھ

پڑھا رہا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ ان میں جلوہ گر ہوں۔ آپ نے دونوں کو فرمایا کہ تم اپنی اپنی جگہ بہتر کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر آپ علم پڑھنے پڑھانے والوں میں جا بیٹھے اور فرمایا "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" کہ میں علم سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں (مشکوۃ کتاب العلم) اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ہو تو صحیح العقیدہ علماء دین کے پاس جا کر بیٹھو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأۃ میں یہ آیت یوں ہے۔

یَرْفَعِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنَ الْعَالِمَ فَوْقَ الَّذِیْ لَا یَعْلَمُ دَرَجَاتٍ۔ — اللہ مسلمان عالم کو مسلمان غیر عالم سے کئی درجے بلندی عطا کرتا ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۲۸ صفہ ۲۲۵)

ایک حدیث میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے عالم دین غیر عالم سے سات درجے بلندی رکھتا ہے اور ہر درجہ کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جس قدر آسمان اور زمین کے درمیان ہے، اس لیے ماضی کے بزرگوں نے ہمیشہ علم کی خدمت کی اور اسی سے غوثیت قطبیت کا مرتبہ پایا۔ چنانچہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ قصیدہ غوثیہ میں فرماتے ہیں ؎

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتّٰی صِرْتُ قُطْبًا
فَنِلْتُ السَّعْدَ مِنْ مَوْلَی الْمَوَالِیْ

یعنی میں نے علم دین اس قدر پڑھا کہ کہ میں قطب و غوث ہو گیا تو میں نے مالکوں کے مالک (اللہ تعالیٰ) سے سعادت حاصل کر لی۔

لہٰذا علماء دین کا مقام شہیدوں سے بھی بلند ہے ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن عالم دین کے قلم کی سیاہی کو شہیدوں کے خون کے ساتھ تولا

جائے گا۔ تو ان کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا۔ جب علماء کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بہتر ہوئی تو علماء کا اپنا مقام کیا ہوگا۔ اس لیے شیطان سب سے زیادہ علماء کا دشمن ہے کیونکہ علماء ہی علم کے ذریعے سب سے بڑھ کر باطنی دشمن (شیطان) کے ساتھ جنگ میں مصروف ہیں۔

آٹھواں نکتہ

استعاذہ و تعوذ میں آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ مومن کا دل سب سے بہتر مقام ہے تمہیں روئے زمین پر اگر کوئی سب سے زیادہ رونق والی جگہ نظر آئے جہاں بہترین باغات لگے اور خوشبودار پھول مہک رہے ہوں۔ مومن کا دل اس جگہ سے بھی بہتر ہے۔ بلکہ مومن کا دل شفاف وصاف شیشے کی طرح ہے بلکہ شیشے سے بھی بڑھ کر، کیونکہ شیشہ پر اگر پردہ ڈال دیا جائے تو اس میں کچھ نظر نہیں آتا جبکہ مومن کے دل کے آگے ساتوں آسمان، کرسی اور عرش بھی حجاب و آڑ نہیں بن سکتے جیساکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ	اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام
وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ	اور جو نیک کلام ہے وہ اسے
(سورہ فاطر: ۱۰)	بلند کرتا ہے

اس میں بتایا گیا ہے کہ پاکیزہ کلام جو مومن کے دل سے نکل کر زبان پر آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا اور اپنے محلِ قبول ورضا تک پہنچتا ہے اور پاکیزہ کلام سے مراد کلمۂ توحید و تسبیح و تحمید و تکبیر وغیرہ ہیں۔

چنانچہ امام حاکم و بیہقی نے روایت کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کلمۂ طیب سے ذکر مراد ہے بعض مفسرین اس سے قرآن اور دعا مراد لیتے ہیں صحیح یہی ہے کہ اس میں تمام اچھی باتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا طلبی کی نیت سے کی جائیں اور جو دل کے اخلاص کے ساتھ زبان پر جاری ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ صحیح العقیدہ صالح مومن کا دل ایک ایسا شفاف و صاف آئینہ اور ایک ایسا محل نور ہے کہ اس سے نکلے ہوئے کلماتِ مقدسہ سیدھے خدائے قدوس کے حضور شرفِ قبول کو پہنچ جاتے ہیں ان کے آگے آسمان اور عرش و کرسی بھی آڑ و روک نہیں بن سکتے۔

اور مومن صالح کا نیک عمل بھی اس کے کلمۂ ایمان جس کا محل اس کا دل ہے کی برکت سے اوپر اٹھایا جاتا ہے وہ کلمۂ ایمان اس کے عملِ صالح کو بلند کرتا ہے اور مقامِ قبولیت تک پہنچاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کا ایمان و اعتقاد صحیح نہیں اس کا عمل مقامِ قبولیت کو نہیں پہنچتا بلکہ ضائع و رائیگاں جاتا ہے اور یَرفَعُہٗ کی ضمیر منصوب متصل بندۂ مومن کی طرف راجع ہو سکتی ہے اور ضمیر مستتر، عملِ صالح کی طرف، تو معنی یہ ہوگا کہ وہ بندۂ مومن جو صحیح العقیدہ ہے جس کا دل حبِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز ہے اس کا عملِ صالح اس کو بلند کرتا اور اس کی عزت کو بڑھاتا ہے لہٰذا جو شخص دنیا و آخرت کی عزت و عظمت و رفعت و بلندی کا خواہش مند ہو وہ اپنا ایمان و اعتقاد صحیح کرنے کے بعد نیک عمل کرے اور شریعت کے احکام اخلاص قلب اور پابندی کے ساتھ بجالایا کرے غرضیکہ مومن کا دل حبِ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے منور اور اس کی شخصیت عملِ صالح سے مزین ہو جائے تو اس کے دل کے

آگے سے بشری کثافتوں و غفلتوں کے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو وہ جلالِ ربوبیت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا علم ذات خدائے بے نیاز کی صفات کا احاطہ کر لیتا ہے۔

مومن صالح کا دل سب سے بہتر جگہ ہے اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

اَلْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ ۔ کہ (مومن کی) قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (ترمذی، قیامت)

قبر کی جگہ کا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار پانا اس لیے ہی ہے کہ وہ بندۂ مومن کی جگہ بن گئی تو جب وہ زمین جہاں مومن صالح آرام کر رہا ہے دوسری زمین سے افضل ٹھہری کیونکہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو گئی تو اس کا دل جو معرفتِ خداوندی کا محل اور اس کی اِلٰہیت کا تخت ہے ضروری ہے کہ سب سے بہتر جگہ ہو جیسا کہ مولانا رومی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنائے خلیل آزر است
دل نظر گاہِ جلیل اکبر است

یعنی دل اپنے ہاتھ میں کر لو کہ یہ کام سب سے بڑا حج ہے اور مومن صالح کا دل ہزار ہا کعبہ سے بہتر ہے ۔ کعبہ آزر کے محبوب (بیٹے)

کا بنایا ہوا ہے جبکہ دل خدائے جلیل و اکبر کی نظر گاہ ہے۔

مولانا رومی کا مقصد یہ ہے کہ مومن صالح کا دل کعبہ معظمہ سے اونچا مقام رکھتا ہے لہٰذا تم مومن صالح کے دل کو ناراض نہ کیا کرو بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کے دل کو راضی رکھا کرو اور مؤمن صالح وہ مسلمان ہے جس کا عقیدہ اہلسنت اور اس کا عمل شریعت کے مطابق اور اس کی صورت و سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت کے موافق ہو اس کا سینہ قرآن و سنت کے علوم کا خزینہ ہو ایسے شخص کے دل کو راضی کرنا اور اس کی مرضی پر گامزن ہونا حج اکبر سے کم نہیں کعبہ جو ایسے مومن کے دل کے مقابلہ میں کم درجہ رکھتا ہے اس کا طواف حج ہے تو اس سے زیادہ درجہ رکھنے والے قلب مومن کا طواف یعنی اسے راضی کرنا اور اس کی مرضی کے گرد گھومنا ضرور حج اکبر (سب سے بڑا حج) ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" اے میرے بندے! تیرا دل میرا باغ اور میری جنت تیرا باغ ہے تو جب تو نے میرے باغ (اپنے دل) کے بارے میں بخل سے کام نہیں لیا بلکہ تو نے اس میں میری معرفت کو نازل کر ڈالا تو میں اپنے باغ (جنت) کے معاملہ میں تیرے لیے کیسے بخل کر سکتا ہوں اور تجھے اس میں داخل ہونے سے کیسے روک سکتا ہوں؟

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ بندہ مومن جنت کے باغ میں کیسے داخل ہوگا چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ بے شک پرہیزگار باغوں اور نہر میں ہیں

فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر ۵۴)	سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور

یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور پرہیز گار بندے قیامت کے دن جنت کے باغوں اور نہروں، سچ کی مجلس عظیم قدرت والے بادشاہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں ہوں گے اور اس کی بارگاہ کے مقرب ہوں گے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف "ملیک" نہیں کہا بلکہ "ملیک مقدر" فرمایا گویا ارشاد فرماتا ہے کہ "میں قیامت کے دن "ملیک مقتدر" یعنی عظیم قدرت والا بادشاہ ہوں گا اور میرے بندے جنت کے بادشاہ ہوں گے لیکن وہ (عظیم قدرت والے) نہیں ہوں گے بلکہ میری قدرت کے تحت ہوں گے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! میں نے اپنی جنت تیرے لیے کردی اور تو نے اپنی جنت (دل) میرے کر دیا لیکن تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو نے میری جنت (بہشت) دیکھی اور کیا اس میں داخل ہوا۔ بندہ کہتا ہے نہیں، اے میرے پروردگار۔ پھر پوچھتا ہے کہ کیا تو اپنی جنت میں داخل ہوا یعنی اپنے دل کو دیکھا جو تیری جنت ہے (جسے میں نے اپنے لیے بنایا مگر وہ تیرے پاس ہے اس نسبت سے میں اسے تیری جنت کہہ رہا ہوں کیا تو نے اس کو دیکھا؟) تو ضروری ہے کہ بندہ یہ کہے کہ ہاں اے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندے اس کے بعد (باوجود کہ تو میری جنت (بہشت) میں داخل نہیں ہوا لیکن جب اس میں تیرے داخل ہونے کا وقت قریب ہوا میں نے تیرے لیے تیرے دشمن شیطان کو اپنی جنت سے نکال باہر کیا اور اس کو حکم دیا کہ

اُخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ — یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا

(سورۂ اعراف ۱۸)

تو میں نے تیرے دشمن کو نازل ہونے اور وہاں آباد ہونے سے پہلے نکال باہر کیا لیکن تیرا حال یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ میں (مثلاً تیری عمر کے) ستر سال سے تیرے دل کے باغ میں جلوہ گر ہوں تجھے یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ تو میرے دشمن (شیطان) کو نہ نکالے اور اسے وہاں سے نہ بھگا دے ہ تو اس (سوال پر) بندہ جواب عرض کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے اللہ! تو اس بات پر قادر ہے کہ شیطان کو اپنی جنت سے نکال باہر کرے لیکن میں بندۂ عاجز و کمزور ہوں اور اس کے نکال دینے پر قادر ہوں تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ عاجز و کمزور جب بادشاہ غالب کی حمایت میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ عاجز نہیں رہتا، قوت و طاقت والا ہو جاتا ہے لہذا تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم "پڑھکر میری حمایت میں داخل ہو جا تاکہ تو اپنے دل کی جنت سے دشمن (شیطان) کے نکالنے پر قادر ہو جائے۔ لہذا بندہ کہتا ہے "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم"

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندہ مومن کا دل جب اللہ تعالیٰ کا باغ ٹھہرا تو اللہ شیطان کو از خود کیوں نہیں نکال دیتا۔ بندے سے کیوں نکلواتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ تو نے تو اپنے دل کے مکان میں سلطانِ معرفتِ الٰہی کو جلوہ گر کیا ہے یا کرنا چاہتا ہے تو جو اپنے گھر بادشاہ کو جلوہ فرما کرنے کا ارادہ کرے، اسی پر واجب ہے کہ وہ اس مکان کو جھاڑ دے اور ناپاک اور گندی چیزوں سے اسے پاک و صاف کرے یہ کام مہمانِ کریم بادشاہ محترم پر واجب نہیں لہذا بادشاہ فرمائش کرتا ہے کہ اسے بندے! تیرا کام ہے کہ تو میری جلوہ گاہ اپنے دل

کے مکان کو وسوسہ و تیرے خیالات کی گندگی سے پاک کرے اور پڑھ
اُعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم "۔

نواں نکتہ

نواں نکتہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " اے میرے بندے! تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، کیا تجھے معلوم ہے کہ میرے اور شیطان کے درمیان کس بات پر دشمنی ہوئی؟ وہ تو فرشتوں کی طرح میری عبادت کرتا تھا اور بہ ظاہر میری الاہیت وخدا ہونے کا اقراری تھا میرے اور اس کے درمیان اس لیے دشمنی واقع ہوئی کہ میں نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ تیرے باپ آدم کو سجدہ کرے پس جب اس نے تیرے باپ کو سجدہ کرنے اور اس کی تعظیم بجالانے سے انکار و تکبر کیا تو میں نے اسے اپنی خدمت سے بھی دور کر دیا اور اس نے حقیقت میں میری خدمت و عبادت سے انکار نہیں کیا، تیرے باپ کا دشمن ہوگیا۔ اس لیے میں نے اسے اپنے قرب سے دور کر دیا پھر وہ ستر سال سے (مثلاً تیری پوری زندگی میں) تیرے ساتھ بھی دشمنی کرتا چلا آرہا ہے (اس لیے کہ تو اس کے دشمن آدم کا بیٹا ہے) اور (اس کے باوجود) تو اس سے محبت کرتا اور اس کا کہنا مانتا ہے اور وہ تمام بھلائیوں میں تیری مخالفت کرتا ہے۔ اور تو تمام مرادوں میں اس سے موافقت کرتا رہا ہے پس اس برے طریقہ کو چھوڑ اور " اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم "، کہہ کر اس کے ساتھ دشمنی کا اظہار و اعلان کر۔ لہٰذا بندہ کہتا ہے۔" اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

دسواں نکتہ

تعوذ میں دسواں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ میرے بندے! کیا تو نے اپنے باپ آدم کے قصّہ کی طرف توجہ نہیں دی کہ شیطان نے، ان سے علانیہ طور سے دشمنی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اس نے ہمدرد بن کر تیرے باپ کو دھوکا دیا

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ ﴿اعراف ۲۱﴾ اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

یعنی شیطان نے حضرت آدم وحوا کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے۔

فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ ﴿۲۲﴾ اور انہیں فریب سے اتار لایا

پھر آخر کار دونوں کو جنت سے نکلوا کر چھوڑا، لیکن تیرے حق میں وہ علانیہ دشمنی کا اظہار و اعلان کر چکا اور کہہ چکا ہے کہ:

فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ ﴿سورہ ص ۸۲، ۸۳﴾ پس تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر ان میں جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔

جب اس کی خباثت کا عالم یہ ہوا کہ اس نے خیر خواہی کی قسم کھا کر بھی حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا کر چھوڑا تو وہ اولادِ آدم کے ساتھ کیا کرے گا جس کے گمراہ کرنے کی اس نے اعلانیہ قسم کھا رکھی ہے

گیارھواں نکتہ

تعوذ میں گیارہواں نکتہ یہ ہے کہ اس میں کلمہ " اعوذ باللہ " میں لفظ " اللہ " جو اللہ تعالےٰ کا ذاتی نام ہے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے اور بھی بہت سے صفاتی نام ہے مثلاً غفور، شکور، رحیم وغیرہ ان میں سے کسی اسم کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا ۔ " اللہ " ہی کو یہاں زیادہ موزوں سمجھا گیا اس کی وجہ یا اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس اسم مبارک کو یہاں اس لیے لایا گیا کہ یہ اسم مبارک دوسرے اسمار مبارکہ کی لنسبت ، معاصی اور نافرمانیوں سے زیادہ روکنے والا ، یا بندوں کو معاصی سے روکنے میں اس کی تاثیر سب سے زیادہ ہے کیونکہ " اللہ " وہی ہو سکتا ہے جو عبادت کا مستحق ہو اور عبادت کا مستحق اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب وہ " قادر " (قدرت والا) علیم " (علم والا) اور حکیم (حکمت والا) ان تینوں صفات والا ہو گویا بندہ کا " اعوذ باللہ " کہنا ۔ " اعوذ بالقادر العلیم الحکیم " کے کہنے کے قائم مقام و مترادف ہے یعنی اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جو ان تینوں صفات والا ہے اور یہ تینوں صفات یعنی قدرت والا ہونا علم والا ہونا اور حکمت و دانائی والا ہونا برائیوں سے روکنے میں انتہائی اثر رکھتی ہیں اور یہ اس لیے ہے کہ چور بادشاہ کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ قادر (قدرت والا) ہے وہ مجھے چوری کی سزا دے سکتا ہے اس کے باوجود وہ کبھی اس کا مال بھی چرا لیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بادشاہ قادر تو ہے مگر وہ عالم یا علیم (علم والا) نہیں (کہ اس کو کسی کی خفیہ باتوں کا علم ہو) لہٰذا تنہا ایک قادر (قدرت والی صفت والا) ہونا برائی

روکنے میں کافی نہیں بلکہ اس صفتِ قدرت کے ساتھ عالم (صفت علم کا) ہونا ضروری ہے نیز قدرت و علم بھی برائی سے روکنے میں کافی نہیں بلکہ ان دونوں کے ساتھ حکیم (حکمت و دانائی والا) ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ قدرت بھی ہو اور علم بھی مگر حکمت نہ ہو کہ بادشاہ جب برائی کو دیکھتا اور جانتا ہے مگر برائی سے روکتا نہیں ہے تو اس صورت میں بادشاہ کا موجود ہونا برائی سے مانع نہ ہوگا لیکن جب اسے قدرت حاصل ہو۔ علم بھی رکھتا ہو اور حکمت و دانائی بھی جو برائیوں سے مانع ہے جس کا تقاضا برائیوں سے روکنا ہے۔ تو یہاں برائی سے رکاوٹ کامل طور پر موجود ہوگی پس جب بندہ نے "اعوذ باللہ" کہا تو گویا اس نے یوں کہا کہ میں اللہ قادر علیم، حکیم کی پناہ مانگتا ہوں جو برائیوں میں سے کسی بھی برائی پر خوش نہیں ہوتا تو ضرور اس طرح برائیوں سے مکمل طور پر رکاوٹ حاصل ہوگی۔

بارھواں نکتہ

تعوّذ میں بارہواں نکتہ یہ ہے کہ جب بندہ نے " اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ " کہا تو اس کا یہ کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ شیطان کے ساتھ ہو اور وہ اس بات کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ شیطان خدائے ذوالجلال کا نافرمان ہے اور اس کا نافرمان ہونا درحقیقت اس مسلمان کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ پس جب بندہ شیطان کے ساتھ ہونے کو پسند نہیں کرتا تو وہ عین برائی کے ساتھ ہونے اور اس کے ارتکاب کو بہ طریق اولیٰ ناپسند کرتا ہے اور یہ اس کے ایمان کی دلیل ہے لہٰذا بندے کا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور ایسی خرابی نہ ہو جو اس کے ایمان کی نفی کرتی ہو۔

تیرھواں نکتہ

تعوّذ میں تیرہواں نکتہ یہ ہے کہ "شیطان" ابلیس کا نام اور "رجیم" اسکی صفت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے نام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اسکی صفت کا بھی ذکر فرمایا۔ تو گویا اس نے ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان خدمتِ عبادت میں ہزارہا سال مشغول رہا تو اے میرے بندے! کیا تو نے یہ سنا کہ اس نے ہمیں کوئی نقصان پہنچایا ہو یا اس نے کوئی ایسا کام کیا ہو جو ہمیں برا لگا ہو؟ پھر اس کے باوجود ہم نے اسے ٹھکرا دیا اور اپنی بارگاہ سے دور کر دیا لیکن تیرا حال یہ ہے کہ اگر شیطان تیرے ساتھ ایک لحظہ بیٹھ جائے تو تجھے ہمیشہ کی آگ میں پھینک دے۔

پس تو اس کے دور کرنے اور اس پر لعنت کرنے میں کیوں مشغول نہیں ہوتا؟ تو پس کہہ دے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" لہٰذا بندۂ مومن کہتا ہے "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ"

چودھواں نکتہ

تعوّذ میں چودھواں نکتہ یہ ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ "اعوذ باللّٰہ" کی بجائے "اعوذ بالملائکۃ" کیوں نہیں کہا گیا۔ اس کے باوجود کہ فرشتوں میں سے سب سے کم درجہ کا فرشتہ شیطان کے دفع کرنے کو کافی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس کتے کے ذکر کے مقابلہ میں، اللہ تعالیٰ، کا ذکر کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! بے شک شیطان تجھے دیکھتا ہے اور تو اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

اِنَّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ (الاعراف: ۲۷)

بے شک اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔

اور اس کا داؤ تم پر اس لیے چل جاتا ہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے اور تم اسے نہیں دیکھتے بس تم اس ذات کے ساتھ چمٹ جاؤ جو شیطان کو دیکھتی ہے اور شیطان اسکو نہیں دیکھتا اور وہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے، لہٰذا کہو "اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم"

حضرت ذوالنون مصری کی ہدایت

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ انسانوں کو دیکھتے ہیں لیکن انسانوں کو اس بات کی قوت نہیں دی گئی کہ وہ جنوں کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ حدیث شریف گذری کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کے راستوں میں تیر جاتا ہے، حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

اِنْ کَانَ ھُوَ یَرَاکَ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَاہُ فَاسْتَعِنْ بِمَنْ یَرَاہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَرَاہُ وَھُوَ الْقَہَّارُ السَّتَّارُ

(تفسیرِ مظہری ج ۸ ص ۳۲۹)

اگر شیطان ایسا ہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو تم ایسی ذات سے مدد چاہو جو اسکو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے وہ اسے نہیں دیکھ سکتا اور وہ اللہ قہار و ستار ہے۔

پندرھواں نکتہ

تعوذ میں پندرھواں نکتہ یہ ہے کہ "الشیطان" میں الف و لام جنس کا ہے جس میں تمام شیاطین شامل ہیں، کیونکہ شیاطین بہت ہیں، بعض دیکھنے میں آتے ہیں اور وہ شیاطینِ انس یعنی انسان نما شیطان ہیں، جو انسان کے بھیس میں ہیں بلکہ بزرگوں کے لباس میں، جو لوگوں کو ماضی کی مسلم بزرگ ہستیوں کی پیروی سے ہٹا کر لوگوں کو اپنی پیروی کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسے دین کو آج کے نئے دور میں اور نئی روشنی میں ہم سمجھے ہیں وہ نہیں سمجھتے تھے لہٰذا وہ لوگوں کو "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" خدا کے انعام یافتہ بندوں کے راستہ سے ہٹا کر اپنے من گھڑت راستہ پر چلانے کی کوشش میں مصروف ہیں، یہ بھی شیاطین ہیں، لیکن نظر آنیوالے شیاطین۔ اور بعض شیاطین دیکھنے میں نہیں آتے اور وہ جنوں میں سے شیاطین ہیں، لیکن انسان نما شیاطین، جنوں کے شیاطین سے زیادہ خطرناک ہیں۔

شیطانوں کی ماں

مروی ہے کہ ایک واعظ نے اپنی مجلس میں کہا کہ انسان جب صدقہ و خیرات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پاس ستر شیطان آجاتے اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں اور دل کو چمٹ جاتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے روکتے ہیں، قومِ سامعین میں سے ایک شخص نے سنا تو بولا کہ میں ان ستر شیطانوں سے لڑونگا اگر انہوں نے مجھے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا۔

یہ کہہ کر مسجد سے نکلا اور گھر آیا اور اپنا دامن گندم سے بھرا اور گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا تاکہ اسے اللہ کی راہ میں دیدے تو اسکی بیوی کودی اور اس سے لڑنے جھگڑنے لگی حتیٰ کہ اس کے دامن سے گندم نکالنے میں کامیاب ہوگئی اور وہ شخص ناکام مسجد کو واپس لوٹ گیا۔ تو واعظ نے اس سے کہا کہ اے شخص تو نے کیا کیا؟ وہ بولا "میں نے ستر شیطانوں کو شکست دے دی تو ان کی ماں آگئی اس نے مجھے شکست دیدی۔

اور "الشیطان" کے الف ولام کو عہدِ خارجی کا قرار دیا جائے تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ تمام گناہ اس شیطان اکبر کی رضامندی سے ہوتے ہیں، جو کسی کے کام پر راضی ہو وہ اس کام کے کرنے والے کے قائم مقام ہوتا ہے، گویا تمام شیطانوں کے کام اس شیطان اکبر کی طرف ہی منسوب ہوں گے کیونکہ یہ ان سے راضی اور خوش ہوتا ہے۔ گویا ان کے کام، اسی کے ہی کام ہیں۔ لہٰذا اس سے پناہ مانگنا ان سب سے پناہ مانگنا ہے۔

قراءت خلف الامام کا مسئلہ

یہاں اس مسئلہ کو ایک فقہی وشرعی مسئلہ کے ذریعے مزید واضح کرکے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک امام کی قرأت مقتدی کی ہی قرأت ہے اس حیثیت سے کہ مقتدی امام کی قرأت پر راضی اور اس کے پیچھے خاموش کھڑا ہوتا ہے اس لیے امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہو گیا۔

یہ مثال: "اَلْاَشْیَاءُ تُعْرَفُ بِاَضْدَادِھَا" کے قاعدہ کے تحت بیان کی گئی ہے کہ اشیاء کی وضاحت کبھی ان کی ضد سے بھی کی جاتی ہے۔ قرأۃ نیک کام ہے جبکہ شیطان کے کام نیک نہیں برے ہیں، جو شخص کسی کے برے کام پر راضی اور خاموش ہوگا۔ وہ اس کے کرنے والا تصور ہوگا اور اس کے برعکس جو شخص کسی کے نیک کام پر راضی اور خوش ہوگا وہ اس کا کرنے والا قرار پائیگا۔ چنانچہ امام بزار حضرت ابن مسعود اور امام طبرانی ان سے اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما اپنی سند صحیح کے ساتھ روایت

کرتے ہیں اور امام احمد اور امام ابو یعلیٰ اپنی مسندوں میں اور امام ضیاء مقدسی مختارہ میں حضرت ابو بریدہ سے اور امام ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج میں سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ وَاللّٰهُ يُحِبُّ اِغَاثَةَ اللَّهْفَانِ۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۶)

نیک بات کی ترغیب دینے والا اس کے کرنے والے کی طرح (ثواب کا حق دار) ہے اور اللہ تعالیٰ غمزدوں کی مدد کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

جیسے نیک بات کی ترغیب دینے والا اس کے کرنیوالے کی طرح ثواب کا مستحق ہے ایسے ہی اس پر راضی اور خوش ہونے والا بھی۔ ایسے ہی برائی کی ترغیب دینے والا اس کے کرنے والے کی طرح عذاب کا مستحق ہے ایسے ہی اس پر خوش اور راضی ہونے والا بھی اس کے کرنے والے کے قائم مقام اور اسکی طرح سزا کا حق دار ہے۔

سولہواں نکتہ تعوذ میں سولہواں نکتہ یہ ہے کہ "شیطان" "شطن" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں "دور ہوا" تو اس نام سے اس کے خدا رحمت سے اور اس کی بارگاہ سے بعید ہونے کی خبر دی گئی ہے اور رہا مطیع و فرمانبردار شخص، تو وہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہ کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" (علق ۱۹) "اور سجدہ کر اور ہم سے قریب ہو جاؤ"

اور اللہ تعالیٰ تمہارے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ (البقرہ : ۱۰۶)

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔

لیکن "رَجِيْم" بہ معنی مرجوم ہے، یعنی جس پہ بدبختی اور لعنت کا تیر پھینکا گیا

اور اے بندے! تُو تو سعادت مندی کی رسّی کے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ:

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا (الفتح: ۲۶)

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے۔

تو اس کلام نے اس بات پر دلالت کر دی کہ اللہ تعالےٰ نے شیطان کو دور اور مردود بنا دیا اور اس نے تجھے قریب ملا یا ہوا بنایا پھر اللہ تعالےٰ نے خبر دی کہ وہ اس شیطان کو جو بعید ہے قریب نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۔ (فاطر: ۴۳)

تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے۔

پس تجھے معلوم ہو کہ اس نے جب تجھے قریب کیا تو وہ تجھے اپنی بارگاہ سے دور نہیں کرے گا اور نہ ہی تجھے اپنے فضل و رحمت سے دور کرے گا۔

سترھواں نکتہ

تعوّذ میں سترہواں نکتہ وہ ہے جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قراءۃ قرآن سے پہلے تعوّذ ضروری ہے جبکہ باقی تمام عبادتوں میں تعوّذ نہیں کہا جاتا (اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم) نہیں پڑھا جاتا) اور اس میں حکمت و فلسفہ یہ ہے کہ کبھی بندے کی زبان جھوٹ، غیبت اور چغل خوری سے نجس و پلید ہو جاتی ہے پس اللہ تعالےٰ نے تعوّذ کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے بندے کی زبان پاک ہو جائے تو بندہ پاک زبان کے ساتھ اس طیب و معکوس کلام کو پڑھے جو پاک پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا۔

اٹھارہواں نکتہ تعوّذ میں اٹھارہواں نکتہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شیطان مردود ہے اور میں رحمٰن ورحیم ہوں پس تو شیطان رجیم سے دور ہو تاکہ رحمٰن ورحیم سے مل سکے۔

اُنیسواں نکتہ تعوّذ میں انیسواں نکتہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ شیطان تیرا دشمن ہے اور تو اس سے غافل ولاپرواہ بنا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے تو اس بنا پر شیطان تیرا دشمنِ غائب ہے اور تیرا ایک محبوب ہے جو غالب ہے۔ جیسا اس نے خود ارشاد فرمایا کہ:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِهٖ ۔ اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے

پس جب تیرا دشمنِ غائب تیرا قصد وارادہ کرے تو محبوبِ غالب کی پناہ میں آجا۔ لہٰذا بندہ کا (اعوذ باللہ) کہنا۔ دشمنِ غائب سے بھاگنا اور محبوبِ غالب کی پناہ میں آنا ہے۔ (مفاتیح الغیب)

(وصلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم علیہ)

شیطان پر قدرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اِنَّ عِفْرِیْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِیَقْطَعَ عَلَیَّ صَلٰوتِیْ فَاَمْکَنَنِیَ اللّٰہُ مِنْہُ فَاَخَذْتُہٗ فَاَرَدْتُ اَنْ اَرْبُطَہٗ عَلٰی سَارِیَۃٍ مِنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰی تَنْظُرُوْا اِلَیْہِ کُلُّکُمْ فَذَکَرْتُ دَعْوَۃَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُہٗ خَاسِئًا۔

(متفق علیہ)

ایک خبیث جن گزشتہ رات اچانک آگیا تاکہ مجھ پر میری نماز کو کاٹ دے پس اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اسے پکڑ لیا پس میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ تم سب کے سب اسے دیکھو پس مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی۔ کہ اے میرے پروردگار مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی اور کیلیے نہ ہو تو میں نے اسے ناکام واپس لوٹا دیا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۶ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۵)

یعنی شیطان اچانک آگیا اور میرے دل میں وسوسہ کے ذریعہ نماز میں خلل ڈالنا چاہا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں حضرت ابوداود

قام رسول الله يصلي
فسمعناه يقول اعوذ بالله منك
ثم قال العنك بلعنة الله ثلاثا
وبسط يده كانه يتناول شيئا
فلما فرغ من الصلوة قلنا يا
رسول الله قد سمعناك تقول
في الصلوة شيئا لم نسمعك تقوله
قبل ذالك ورائيناك بسطت يدك
قال ان عدوا الله تعالى
ابليس جاء بشهاب من نار
ليجعله في وجهي فقلت
اعوذ بالله منك ثلاث
مرات ثم قلت العنك
بلعنة الله التامة
فلم يستأخر ثلاث
مرات ثم اردت
ان آخذه والله
لولا دعوة اخينا
سليمان لاصبح
موثقا يلعب به
ولدان اهل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کھڑے
ہوئے تو ہم نے آپ کو کہتے سنا "میں اللہ
کی پناہ چاہتا ہوں تجھ سے" پھر تین بار
فرمایا "میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھے
لعنت کرتا ہوں" اور اپنا ہاتھ مبارک
آگے کو پھیلایا گویا کہ آپ کسی چیز کو پکڑتے
ہیں۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے
تو ہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسولؐ
ہم نے آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے
سنا کہ اس سے پہلے ہم نے آپ کو وہ کہتے
نہیں سنا اور ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ
نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کو پھیلایا۔ فرمایا
"اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لایا
تھا تاکہ اسے میرے چہرے (کی جہت)
میں کرے (اور میری توجہ نماز سے
ہٹائے) بس میں نے تین بار کہا میں
اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تجھ سے پھر میں
نے کہا کہ میں لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت
تامہ (کاملہ) کے ساتھ پھر وہ پیچھے نہ ہوا
تو میں نے تین بار کہا یا وہ تین بار کہنے
کے باوجود پیچھے نہ ہوا پھر میں نے

المدینہ

(مسلم ج۔۱ ص ۲۰۵)

ارادہ کیا کہ اسے پکڑلوں خدا کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ (یہاں مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ) بندھا ہوا صبح کرتا اس کے ساتھ مدینہ والوں کے بچے کھیلتے

اس حدیث سے کئی ایک مسائل معلوم ہوئے۔ ایک کہ یہ جن موجود ہیں یعنی ان کا وجود ہے دوسرے یہ کہ انہیں بعض آدمی بھی دیکھتے ہیں اور قرآن کریم کا فرمان کہ تم انہیں نہیں دیکھ سکتے غالب احوال پر محمول ہے۔ تیسرے بطور تکیہ قسم کھانا اس کے بغیر کوئی قسم کھلائے۔ چوتھے شیطان پر لعنت کرنا۔ پانچویں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا کمال تصرف و کمال قدرت سے نوازنا کہ شیطان خبیث بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفت سے نہیں بھاگ سکتا۔ اور طبرانی و بیہقی و دار قطنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ بیشک شیطان میرے آگے سے گذر جانا چاہتا تھا۔ تو میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھوں پر پائی اور خدا کی قسم اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام نے اس کی طرف سبقت نہ کی ہوتی تو وہ مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوتا یہاں تک کہ اسے مدینے والوں کے بچے گھماتے پھراتے۔" اور امام ابن ابی الدنیا مکائد الشیطان میں امام شعبی سے مرسلا روایت کرتے ہیں۔ اسی میں یوں ہے "بے شک شیطان میرے پاس آیا تو اس نے مجھ سے جھگڑا کیا پھر جھگڑا کیا (یعنی نماز میں خلل ڈالنا چاہا) تو میں نے اسے حلق سے پکڑ لیا مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میں نے اسے نہ چھوڑا یہاں تک کہ میں نے اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھوں پر پائی اور اگر سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو شیطان مسجد میں ڈالا اور پھینکا ہوا پڑا ہوتا۔"

اور امام احمد کی مسند میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔

"کہیں تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

(اور اسے گردن سے پکڑ لیا)، پس اس کا گلا گھونٹتا چلا گیا حتیٰ کہ اس

کے لعاب کی ٹھنڈک میں نے اپنی ان دو انگلیوں کے درمیاں پائی

اور اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو صبح کو ابلیس مسجد کے

ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوتا اس کے ساتھ

مدینہ منورہ کے بچے کھیلتے ہوتے تو تم میں سے جس شخص سے ہو سکے

کہ نماز کے دوران، اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو

تو ضرور کرے"۔

اور ابن مسعودؓ کی روایت میں یوں بھی ہے کہ جب میں نے اس کا گلا گھونٹا تو وہ کہنے لگا کہ آپ نے مجھے درد کر دیا۔ آپ نے مجھے درد کر دیا" اور ایک روایت میں ہے کہ "شیطان آیا تو میں نے اُسے بھگا دیا اور اگر میں اسے پکڑ لیتا تو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیتا حتیٰ کہ مدینہ والوں کے بچے اس کی طرف دیکھتے"۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے شیطان کو نہ پکڑا بلکہ بھگا دیا۔ لیکن دوسری روایت سے پکڑنا ثابت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کبھی آپ نے اسے بھگا دیا۔ اور نہ پکڑا اور کبھی اسے پکڑ لیا اور اس کا گلا گھونٹا۔" چنانچہ تمام روایات کے اختلاف الفاظ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ایسے واقعات متعدد بار پیش آگئے اور امام عبد بن حمید اور امام ابن مردویہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

میں صبح کی نماز کے لیے نکلا تو شیطان مجھے مسجد کے دروازے پر ملا

تو مجھ سے مقابلہ کرنے لگا یہاں تک کہ میں اس کے بال کے چھونے کے اثر کو پاتا ہوں۔ (یعنی اس کے بالوں میں کوئی ایسا ٹھنڈک وغیرہ کا اثر ہوگا) پس میں اس پر غالب آگیا تو میں نے اس کا گلا گھونٹا یہاں تک کہ میں اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھ پر محسوس کر رہا ہوں۔ (یعنی گلا گھونٹنے سے اس کی زبان باہر کو نکل آئی)۔

کو نکل آئی) پس اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو شیطان صبح کو قتل ہوا پڑا ہوتا، لوگ اس کو دیکھتے۔ کنز العمال ج ا ص ۲۵۵ تا ۲۵۷)

ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہی حکومت و قوت بخشی تھی جو سلیمان علیہ السلام کو جنوں پر بخشی تھی۔ بلکہ حکومتِ سلیمان حکومتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہما و بارک کا عکس و پرتو تھا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۳/۳۴)

حضورؐ کے غلاموں کی قدرت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ نے حضور کے غلاموں کو بھی جو علم و عمل میں حضرت کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں، شیطان کے مقابلہ میں روحانی طاقت و قوت اور بہت قدرت بخشی ہے جن سے وہ بھی شیطان پر غالب آجاتے ہیں۔ حضرت عمارہ کا واقعہ اسکی مثال کافی ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شیطان سے کشتی

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ ہم ایک جگہ اترے تو میں نے اپنا مشکیزہ اور ڈول لے لیا تاکہ میں جاکر پانی لے آؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار پانی پر کوئی آئیگا اور تمہیں پانی لینے سے روکے گا۔ حضرت عمار فرماتے ہیں، جب میں کنوئیں پر پہنچا تو ایک کالے رنگ کا مرد وہاں آگیا جس کا رنگ انتہائی کالا تھا اور کہنے لگا، خدا کی قسم میں تمہیں آج اس کنوئیں سے پانی نہیں لینے دوں گا پس اس نے مجھے پکڑ لیا اور میں نے اسے پکڑ لیا اور ہم میں کشتی شروع ہو گئی آخر میں نے اُسے گرا لیا اور پتھر اٹھا کر اس سے اس کا منہ اور ناک پھوڑ ڈالا اور مشک پانی کی بھر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آگیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا "کیا پانی پر کوئی تمہارے پاس آیا تھا؟" پس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی کا سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا:

أَتَدْرِیْ مَنْ هُوَ؟ قُلْتُ، لَا۔ قَالَ ذَاکَ شَیْطَانٌ (آکام المرجان ص۱۱۸)

کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ میں نے عرض کی، نہیں۔ فرمایا وہ شیطان تھا۔

امام ابو نعیم اصفہانی علیہ الرحمۃ کی سند کے ساتھ حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "خدا کی قسم عمار بن یاسر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں جنوں وشیطانوں اور انسانوں سے خدا کی راہ میں لڑائی کی ہے۔ تو ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا، "چلو ہمارے لئے کچھ پانی بھر لاؤ"۔ عمارؓ پانی لینے گئے تو شیطان ایک کالے غلام کی صورت میں ان کے سامنے آگیا اور ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہو گیا تو عمارؓ نے اسے پکڑ کر نیچے گرا لیا۔ پس اس نے

کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تمہارے اور پانی کے درمیان حائل نہ ہوں گا۔ عمّار نے اسے چھوڑ دیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پانی لینے سے منع کرنے لگا تو عمار نے اسے دوسری بار پکڑ لیا اور نیچے گرا دیا تو وہ بولا کہ مجھے چھوڑ دو میں پانی سے نہیں روکوں گا۔ عمار نے اسے چھوڑ دیا لیکن اس نے پھر منع کیا عمّار نے اسے پھر گرا دیا حتیٰ کہ اس پر غالب آگئے اور پانی بھر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے سے پہلے ہمیں بتا دیا کہ:

ان الشیطان قد حال بین عمار وبین الماء فی صورۃ عبد اسود وان اللہ اظفر عمارا بہ۔ (آکام المرجان ص۱۱۹،۱۱۸)	بے شک شیطان ایک کالے کلوٹے غلام کی شکل میں عمار اور پانی کے درمیان حائل ہو گیا اور بے شک اللہ نے عمار کو اس پر کامیاب کر دیا۔

حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ جب عمار واپس آئے اور ہم ان سے ملے تو میں نے ان سے کہا اے اَبُو الْیَقْظَان! (یہ عمّار کی کنیت ہے) اللہ تعالیٰ نے تمہیں شیطان پر غالب کر دیا کیونکہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تمہیں پیش آیا وہ سب کچھ بتا دیا ہے۔ تو حضرت عمّار یہ سن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ شیطان تھا تو میں اسے قتل کر دیتا لیکن میں نے اسے پچھاڑ کر ارادہ کیا تھا کہ اگر اس کے ناک کی بدبو نہ ہوتی (جو میں نے محسوس کی تھی) تو میں اس کا ناک چبا ڈالتا۔ (آکام المرجان ص۱۱۹)

افادیت اس واقعہ سے کئی ایک مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرت عمّار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے اور آپ کے فیضانِ صحبت سے اس قدر روحانی طاقت رکھتے تھے کہ شیطان مردود ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ دوسرا یہ کہ شیطان،

کبھی انسان کی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ شیطان نیکی سے منع کرتا ہے۔ چوتھا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پانچواں یہ کہ صحابہ شیطان کے دشمن اور شیطان صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ چھٹا یہ کہ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیلئے ہر طاغوتی طاقت سے جنگ کی اور یہی تعوّذ " اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم" کا درس وسبق ہے۔

ابلیس (شیطان) فرشتوں سے تھا

شیخ علامہ محدث قاضی بدر الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ شبلی حنفی متوفی ۷۶۹ھ علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "آکام المرجان فی غرائب الاخبار واحکام الجان" میں لکھتے ہیں کہ امام ابو الوفا علی بن عقیل "کتاب الارشاد" میں فرماتے ہیں کہ ابلیس (شیطان) فرشتوں سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ" (البقرہ)

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا)

اور استثناء درحقیقت غیر جنس سے نہیں ہوتا، لغتِ عرب میں یہی مشہور ہے رہا یہ کہ قرآن میں یہ بھی ہے " کان من الجن " کہ وہ جنوں سے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن بھی فرشتوں کا ایک نوع وقسم ہے، جیسے فرشتوں کے ایک نوع کو " الکَرُّوْبِیُّوْنَ " اور " الرُّوحَانِیُّوْنَ " اور " الْخَزَنَۃُ " اور " الزَّبَانِیَۃُ " کہا جاتا ہے جبکہ جنس سب کی ایک ہے جو مختلف انواع پر مشتمل ہے۔ جیسے آدمی سب ایک جنس ہیں لیکن ان کے انواع مختلف ہیں۔

مثلاً عربی، عجمی، زنگی، اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں نے اپنے تمام غلاموں کو خدمت کا حکم دیا تو سب نے خدمت کی مگر فلاں نے نہ کی تو وہ زنگی (کالا حبشی) تھا اس نے مری نافرمانی کی" اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زنگی دوسرے غلاموں کا ہم جنس ہی نہ تھا۔ بلکہ ہم جنس تھا مگر دوسرے غلاموں سے نوعیت میں مختلف تھا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت اور سعید بن مسیب رحمہ اللہ اور دیگر حضرات کا بھی یہی مذہب ہے کہ شیطان فرشتوں سے ہے اور متکلمین کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور امام ابوالحسن اشعری نجفی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو بکر نے کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابلیس کو دنیا کے آسمان کی بادشاہی دی گئی اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلہ سے تھا جنہیں "جن" کہا جاتا ہے اور ان کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جنت کے خازن ہیں اور ابلیس بھی اپنی بادشاہت کے باوجود جنت کا خازن بھی تھا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شیطان (ابلیس) قبیلہ کے اعتبار سے سب فرشتوں سے بزرگ ترین اور جنت کا خازن تھا اور اس کے پاس زمین اور پہلے آسمان کی بادشاہی تھی۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ فرشتوں کا ایک قبیلہ یعنی نوع یا قسم ہے جنہیں جن کہا جاتا ہے اور ابلیس ان میں سے تھا اور یہ زمین اور آسمان کے درمیان سیاست (بادشاہی) کرتا تھا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان دس فرشتوں میں سے دسواں فرشتہ تھا جنہیں ہوا پر مقرر کیا گیا (تلخیص ماذکرہ فی کتاب آکام المرجان)

(ص ۱۰۳ تا ص ۱۰۶)

کیا آگ مٹی سے افضل ہے؟

شیطان نے جب حضرت آدم علیہ السلام

کو سجدہ نہ کیا تو اس سے اللہ تعالےٰ نے پوچھا کہ تو نے حضرت آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟
تو اس نے جواب دیا کہ میں حضرت آدم سے بہتر ہوں کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا
اور آدم کو مٹی سے۔ اس سے ابلیس (شیطان) کی مراد یہ تھی کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔
اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی آگ مٹی سے افضل ہے؟ اور کیا شیطان کی یہ بات درست
ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کا یہ کہنا غلط ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔
بلکہ اس کے برعکس آگ مٹی سے افضل ہے اور اس پہ دلائل درج ذیل ہیں۔ (کما
ذکرہا فی الاکام)

مٹی آگ سے افضل ہے

پہلی دلیل! اس سلسلے میں پہلی دلیل یہ ہے کہ آگ کی طبیعت میں فساد و
خرابی ہے کیونکہ یہ جس چیز سے لگ جائے اسے جلا ڈالتی ہے یا اسے پگھلا دیتی
ہے جبکہ مٹی ایسی نہیں ہے۔

دوسری دلیل دوسری دلیل یہ ہے کہ آگ کی طبیعت میں ہلکاپن ہے اور
طیش و تیزی ہے جبکہ مٹی کی طبیعت میں ہلکاپن نہیں ہے بلکہ اسمیں وزن اور
بھاری پن ہے اور سکون وثبات اور قرار ہے۔

تیسری دلیل تیسری دلیل یہ ہے کہ مٹی تکوّن ہے کہ اس سے چیزیں
بنتی ہیں اور اس سے حیوانوں کی روزیاں اگتی ہیں اور خوراک پیدا ہوتی ہے اور
اس سے وہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن سے بندوں کے لباس اور زینت کے سامان
تیار ہوتے ہیں اور ان کی روزی کے آلات تیار ہوتے ہیں اور اس سے بندوں
کے گھر تیار ہوتے ہیں لیکن آگ سے یہ چیزیں نہیں ہوتیں۔

چوتھی دلیل چوتھی دلیل یہ ہے کہ مٹی حیوانوں کے لیے نہایت ہی ضروری ہے وہ اس سے اور جو چیزیں اس سے بنتی ہیں ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے لیکن اس کے برعکس ان کو آگ کی حاجت اس قدر نہیں ہوتی اور انسان تو خاص کر کئی کئی دن بلکہ کئی کئی مہینوں تک اس سے بے نیاز رہ سکتے ہیں۔

پانچویں دلیل پانچویں دلیل یہ ہے کہ آگ میں کسی چیز کا بیج رکھا جائے تو زمین اسے کئی گنا بڑھا کر باہر نکالتی ہے جبکہ آگ میں کسی چیز کا بیج رکھا جائے تو وہ پیدا کرنے کی بجائے جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور امانت میں خیانت کرتی ہے۔

چھٹی دلیل چھٹی دلیل یہ ہے کہ آگ اپنے وجود کو خود قائم نہیں رکھ سکتی بلکہ وہ مٹی کی محتاج ہے۔ جبکہ مٹی آگ کی محتاج نہیں بلکہ وہ اپنا وجود خود قائم رکھے ہوئے ہے۔

ساتویں دلیل ساتویں دلیل یہ ہے کہ آگ پر ہوا غالب ہے۔ ہوا کے تیز جھونکے آگ کے شعلوں کو دوسری طرف جھکا دیتے ہیں بلکہ اڑا کر لے جاتے ہیں۔ بلاشبہ آگ ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ہوا کے معنی عربی زبان میں خواہش کے ہیں۔ گویا آگ ہوا (خواہش) کے ساتھ بھاگتی ہے اس لیے شیطان اور اس کے زیر فرمان ھوا و خواہش کے بندے ہیں۔ جبکہ مٹی ہوا کو روک دیتی ہے بلکہ ہوا مٹی سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتی ہے یا دوسری طرف پھر جاتی ہے اور اس سے بنائے ہوئے انسان جو اپنی اصل (مٹی) کی طرح جو ان کی فطرت کا حصہ ہے متواضع و منکسر ہیں وہ ہوا (خواہش) کے ساتھ نہیں بھاگتے بلکہ اسے روک لیتے ہیں۔

آٹھویں دلیل

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ مٹی سے خدا تعالیٰ کا گھر بنا ہے اور اس میں اس کے مقبول بندے دفن ہیں جو قیامت کے دن وہاں سے باہر تشریف لائیں گے۔ لہٰذا مٹی آگ سے افضل قرار پاتی ہے اور شیطان کا خیال باطل و غلط ٹھہرتا ہے۔

شیطان وسوسہ کیسے ڈالتا ہے

اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ شیطان، دلوں میں وسوسہ کیسے ڈالتا ہے؟ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ:

اَللّٰهُمَّ اعْمُرْ قَلْبِيْ مِنْ وَسَاوِسِ ذِكْرِكَ وَاطْرُدْ عَنِّيْ وَسَاوِسَ الشَّيْطَانِ (الاکام: ۱۶۳)

اے میرے اللہ! میرے دل کو اپنے ذکر کے خیالات سے آباد فرما اور شیطان کے خیالات کو مجھ سے دور رکھ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا اور اسی طرح کی دوسری دعائیں اور استعاذے امت کی تعلیم کے لئے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس بات سے پاک تھی کہ شیطان آپ کے دلِ اقدس پر وسوسہ (براخیال) ڈالتا۔ جیساکہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے "اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاس" (سورۃ الناس) کی تفسیر میں مروی ہے کہ شیطان کی شکل نیولے کی سی ہے۔ شیطان بندے کے دل پر منہ رکھے ہوئے ہے اسکی طرف وسوسہ (برُے خیالات) ڈالتا ہے تو بندہ جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ ذکر سے خاموش ہو جائے تو وہ اسکی طرف لوٹ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صالحین بندے دنیا کے معاملات میں مشغول ہونے کے باوجود یادِ خدا سے غافل نہیں ہوتے اس لیے شیطان ان سے ناامید ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی دعا

عروہ بن رویم سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ اسے ابن آدم (انسان) کی وہ جگہ دکھائے جہاں سے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دکھایا کہ شیطان کا سانپ کی طرح سر ہے اس نے اپنا سر بندے کے دل کے عین درمیان کی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ تو بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو شیطان اپنا سر پیچھے ہٹا لیتا ہے اور جب یادِ الٰہی سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اسے جسم انسانی کی وہ جگہ دکھائے جہاں سے شیطان وسوسہ ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دکھایا کہ ایک صاف شفاف انسانی جسم ہے جس کے اندر کو باہر سے دیکھا جا سکتا ہے اور شیطان مینڈک کی صورت میں اسکے دل کے متوازی بائیں کندھے کے نیچے کی باریک ہڈی کے پاس ہے، شیطان کی سونڈھ ہے جیسے مچھر کی سونڈھ ہوتی ہے اس نے وہ سونڈھ اس کے دل کی طرف اس کے کندھے میں داخل کر رکھی ہے بس جب بندہ ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے کو ہٹ جاتا ہے۔ امام سہیلی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کے نیچے کی باریک ہڈی کے پاس مہر نبوت تھی کیونکہ آپ شیطان کے وسوسہ سے معصوم ہیں گویا یہ مہر اس بات کی علامت تھی کہ یہاں سے شیطان کے لیے وسوسہ ڈالنے کا راستہ بند ہے اور مہر لگی ہوئی ہے جسے شیطان نہیں توڑ سکتا اور انسان کے دل کی طرف وسوسہ ڈالنے کا شیطان کے لیے یہی راستہ ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے ابلیس شیطان سے براہِ راست گفتگو فرمائی؟

امام ابن عقیل حنبلی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے

ابلیس شیطان سے براہِ راست گفت گو فرمائی ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں علماء کرام
اصولیوں کا اختلاف ہے تو ان میں سے محققین کہتے ہیں کہ براہِ راست گفتگو نہیں فرمائی
اور بعض کہتے ہیں فرمائی تھی ۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے براہِ راست
اور رو برو بات نہیں فرمائی اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے رو برو بات
فرمائی ہو ہاں اس سے جو بھی بات فرمائی ایک فرشتے کے ذریعے فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ
کا کسی بندے سے براہِ راست گفتگو فرمانا اسکی مہربانی ، نوازش ، عنایت و رضامندی اور
خوشی کا اظہار ہے جس میں اس بندے کا اعزاز ، تعظیم اور تکریم ہے یہی وجہ
ہے کہ اللہ تعالےٰ نے قرآن میں بعض انبیاء سے ہمکلام ہونے کو ان کے لیے وجہ فضیلت
اور خصوصی شان کا موجب ٹھہرایا ۔ اور شیطان ابلیس اس تعظیم کا نہ مستحق تھا اور نہ ہی کسی
فضیلت و خصوصیت کے لائق ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے براہِ راست کلام نہیں فرمائی
چنانچہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام کرے گا قرآن سے ثابت ہے لیکن اس
کا یہ کلام کرنا ، براہِ راست نہ ہوگا بلکہ فرشتوں کے ذریعے ہوگا چنانچہ جہاں آتا ہے
کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک اعتقاد کرتے تھے ؟
اس سے بالواسطہ کلام ہے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا گیا :

لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ‘‘ کہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کریگا ۔

یعنی براہِ راست اور بلا واسطہ کلام نہیں فرمائیگا ۔ البتہ خطاب عام میں وہ داخل تھا
جنمیں اس نے سجدہ کا فرشتوں کو حکم فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت
سے مخاطب ہوتا اور احکام کی تعمیل کا حکم فرماتا ہے اس سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ
اللہ تعالےٰ نے اس سے براہِ راست گفتگو فرمائی (ذکرہا فی الاکام)

شیطانی وسوسہ کیطرف توجہ نہ دو

حدیث شریف میں ہے کچھ لوگوں کو وضو کے

بعد پیشاب کے قطرہ آنے کا احساس ہوتا ہے، اور محسوس ہوتا ہے کہ کپڑا گیلا ہو گیا اور کچھ لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہوئی لیکن یہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے اس کا مقصد بندے کو کسی نہ کسی بہانے سے عبادت سے روکنا ہے لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ قطرہ کے وہم کو دور کرنے کے لیے استنجا کے بعد آگے پانی کے چھینٹے مار دیا کریں، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ پیشاب کے قطرہ سے کپڑا گیلا ہوا ہو گا اور ہوا کے خارج ہونے اور وضو ٹوٹنے کا اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک کہ بو محسوس نہ ہو یا آواز سنائی نہ دے۔

دِلوں کے وسوسے اور بدگمانی

شیطان لوگوں کے دِلوں میں وسوسے ڈالتا اور دوسروں کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتا ہے، کہ فلاں شخص ایسا ہو گا یا ایسا ہے یعنی اسکی طرف بلا ثبوت شرعی برائی یا گناہ کی نسبت کرنا، یہ ناجائز بلکہ حرام ہے حدیث شریف میں ہے " ظُنُّوا بِالْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا أَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ کہ مسلمانوں کے حق میں نیک گمان کیا کرو اور قرآن مجید میں ہے " إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ " کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔ کیا معلوم آپ جو کسی کے بارے میں غلط گمان کر رہے ہیں یہی وہی گمان ہو جسے قرآن کریم گناہ قرار دے رہا ہے۔ حتیٰ کہ محض افواہوں یا خبروں کے ذریعے بھی کسی مسلمان کی طرف گناہِ کبیرہ کی نسبت کرنا شیطانی فعل اور حرام و ناجائز ہے۔ اس لیے حدیث میں ایسے شخص کو جھوٹا قرار دیا گیا جو محض سنی سنائی بات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مؤرخین کے محض تاریخی بیانات و تذکرے جن میں اسلام کی مسلّمہ شخصیتوں، صحابہ کرام و تابعین و علماء و ائمہ دینِ متین بزرگانِ اہلِ سنّت کے خلاف مواد پایا جاتا ہے جسکی کوئی بہتر توجیہہ یا ان کے شایانِ شان تاویل نہیں ہو سکتی سب شیطان کی اڑائی

ہوئی باتیں اور اسکی پھیلائی ہوئی بدگمانیاں ہیں جن پر یقین کرنا بلکہ ان کا تصور کرنا بھی ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

شیطانی کوشش اور وسوسہ

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کے راستہ پر آتا ہے جب کوئی شخص اسلام لانا چاہتا ہے تو شیطان اسے اسلام سے روکتا اور کہتا ہے کہ تو اسلام لانا چاہتا ہے، اپنے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے تو اس نے شیطان کا کہنا نہ مانا اور اسلام قبول کر لیا تو اس کے ہجرت کے راستہ پر جا کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا تو ہجرت کرنے لگا ہے اپنے اور اپنے باپ دادا کے وطن کو چھوڑ رہا ہے، اس نے اس کا کہنا نہ مانا اور ہجرت کر لی تو اسکو جہاد پر جانے سے روکنے جہاد کے راستہ پر آکھڑا ہوا اور کہا کہ یہ بڑا مشقّت کا کام ہے جان اور مال کا اندیشہ ہے تم لڑوگے تو قتل کئے جاؤگے تمہارے بعد تمہاری بیوی کسی اور سے نکاح کرے گی تمہارا ترکہ و تمہاری جائداد تقسیم کی جائے گی، اس نے اس کا وسوسہ قبول نہ کیا اور اس کا کہنا نہ مانا اور اس کی نافرمانی کر کے جہاد کو روانہ ہو گیا (تو شیطان خائب و خاسر اور ناکام رہ گیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس نے ایسا ہمت و جرأت کا مظاہرہ کیا (نیکی کے کام میں شیطان کے ورغلانے میں نہ آیا نیک کام کر گذرا - جان و مال کو خدا کے حوالے کر دیا اور اس کے راستہ میں دے دیا) تو اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم پر اس کا حق ہو گیا کہ وہ اسے جنّت میں داخل کرے، اور اگر قتل ہو گیا تو اس کا اللہ کے فضل و کرم پر حق ہو گا کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور اگر اسی کے لیے سفر کر رہا تھا اور ڈوب گیا تو اس پر بندہ کا حق ہو گیا کہ اسے جنت میں داخل کرے اور اگر اسکی رضاجوئی

کے لیے سفر کرتے جانور سے گر گیا (یا کسی اور طریقہ کے حادثہ میں جاں بحق ہو گیا تو اسے شہادت کا درجہ نصیب ہو گا) تو اس کا اللہ پر حق ہو گا کہ وہ اسے جنت میں داخل کریگا۔

شیطانی وسوسے کے چھ درجے

شیطانی وسوسہ کے چھ درجے ہیں جن کی ترتیب درج ذیل ہے۔

پہلا درجہ

شیطانی وسوسہ کا پہلا درجہ جہاں سے شیطان وسوسہ کی ابتداء کرتا ہے وہ کفر وشرک اور اللہ ورسول کے ساتھ عداوت ودشمنی پیدا کرتا ہے یعنی شیطان سب سے پہلے یہ کوشش کرتا ہے کہ انسان کے دل میں کفر، ارتداد اور شرک ونفاق پیدا کرے اور اسکو اسلام سے برگشتہ کرے اور کافر ومشرک ومرتد بنا دے۔ پس اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو اسے ٹھنڈک پڑ جاتی اور آرام آجاتا ہے۔

دوسرا درجہ

شیطانی وسوسہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کو کفر وشرک کی طرف مائل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو اسکی دوسرے درجہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے صحیح العقیدہ نہ رہنے دے لہٰذا وہ اسے بدعت وگمراہی پر مبنی عقائد وخیالات کی طرف مائل کرتا ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات واجماع امت کی اتباع اور سوادِ اعظم کے راستہ پر چلنے سے اسکو منحرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ جو دعا ہم پانچوں نمازوں میں مانگتے ہیں اور سیدھے راستے پر چلائے جانے کی خدا سے التجا کرتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ (الفاتحہ ۵)

(اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا (نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، اور صالحوں کے راستہ پر

شیطان ملعون اس راستہ سے دور لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ راستہ اہل سنت وجماعت کا ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے پیروکاروں کا راستہ، زمانۂ قریب کے شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی و شاہ احمد رضا بریلوی علیہما الرحمۃ ایسے بزرگوں کا بتلایا ہوا راستہ ہی صراط مستقیم ہے جس سے شیطان بہکانے کی کوشش کرتا ہے یعنی اگر کفر کرنے میں شیطان کامیاب نہ ہوا تو اس کے بعد گمراہ عقائد میں پھسلانے اور اہل سنت کے خلاف غلط عقائد اختیار کرانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بہتّر فرقے اہلسنت سے نکل کر گمراہ ہو گئے یہ بہتر فرقے بدعتی اور جہنمی فرقے ہیں اور عقائد کی بدعت، گمراہی، عملی خرابی سے کئی درجے بدتر ہے کیونکہ اس سے دین و ایمان کو نقصان پہنچتا ہے جبکہ عملی کوتاہی سے نفس ایمان کو نقصان نہیں پہنچتا۔ البتہ اس سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ:

البدعۃ احب الی ابلیس من المعصیۃ لان المعصیۃ یتاب منہا والبدعۃ لا یتاب۔

بدعت (بدعقیدگی) شیطان کو بدعملی سے زیادہ پسند ہے کیونکہ بدعملی سے توبہ کی جاتی ہے اور بداعتقادگی سے توبہ نہیں کی جاتی۔

(الآکام ص ٦٧)

لہٰذا جب شیطان کی یہ کوشش بھی ناکام ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کو بداعتقادی میں مبتلا کرے تو پھر وہ بدعملی کی طرف پلٹ آتا ہے۔

تیسرا درجہ

بدعملی کا درجہ تیسرا ہے کہ جب شیطان کسی کو کافر اور گمراہ تک کرنے سے ناکام ہو جاتا ہے۔ تو اسے بدعمل بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بدعملی میں سرفہرست کبیرہ گناہ ہیں جن کے ارتکاب پر شیطان انسان کو اکساتا ہے۔

کبیرہ گناہ

آراء واقوال ہیں جن میں سے مشہور قول یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید وسزا بتائی یا لعنت فرمائی گئی ہے وہ سب کبیرہ ہیں جیسے زنا، چوری، شراب نوشی، سودخوری بہتان تراشی، قتل اور غیبت وغیرہ۔

چوتھا درجہ اگر شیطان کسی کو کبیرہ گناہ میں مبتلا کرانے میں ناکام ہو جاتا ہے تو اسے صغیرہ گناہوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور صغیرہ گناہ جب کسی کے عملنامہ میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہ کبیرہ ہو جاتے ہیں جن سے انسان خدا تعالیٰ کے قہر وغضب کا نشانہ ہو کر برباد ہو جاتا ہے۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ توبہ سے کبیرہ، کبیرہ نہیں رہتا یعنی معاف ہو جاتا ہے اور اصرار سے صغیرہ، صغیرہ نہیں رہتا چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ:

اِیَّاکُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّهُنَّ یَجْتَمِعْنَ عَلَی الرَّجُلِ حَتّٰی یُهْلِکْنَهٗ الخ

صغیرہ (چھوٹے چھوٹے) گناہوں سے بھی بچو کیونکہ وہ آدمی پہ جمع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اسے برباد کر دیتے ہیں۔

(جامع صغیر ج ۱ ص ۱۱۶)

پانچواں درجہ اگر شیطان کسی کو چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا کرنے سے بھی مایوس ہو جائے تو وہ انسانوں کو ایسے کاموں میں لگانے کی کوشش کرتا ہے کہ جن میں اگرچہ اسے گناہ نہ ہو لیکن ثواب بھی نہ ہو گا۔ ان کاموں کو شریعت کی اصطلاح میں "مباحات" کہا جاتا ہے یعنی جن کا کرنا گناہ بھی نہیں اور ثواب بھی نہیں، اس میں شیطان کا مقصد اسے ایسے کاموں سے باز رکھنا اور روکنا ہے جن کے کرنے سے بندے کو ثواب ملتا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک مسلمان کیلئے یہ بات بھی عذاب سے کم نہیں کہ اس سے ایسے کام ہوں یا وہ ایسا مشغلہ اختیار کرے جس میں اسکو ثواب نہ ملے

یا اس میں اسکی آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

چھٹا درجہ پھر اگر شیطان اس بات سے بھی مایوس ہو جائے کہ انسان کو لایعنی اور بے کار کاموں میں لگائے جن کے کرنے سے نہ ثواب ہو اور نہ گناہ۔ اور بندہ بہر صورت ثواب کے کام کرنے پر ہی مصر ہو تو وہ اسکو زیادہ ثواب والے کام سے محروم کر کے کم ثواب والے کام میں لگا دیتا ہے مثال کے طور پہ نفلی حج یا عمرہ بھی ثواب کا کام ہے اور کسی مقروض کا قرض اتارنا یا کسی بے گھر بچوں والے انسان غریب اور نادار کو جو اپنا گھر نہیں بنا سکتا۔

غریب و نادار انسان کو گھر تعمیر کر دینا بھی ثواب کا کام ہے لیکن ان دونوں ثواب کے کاموں میں دوسرے کے مقابلے میں پہلے کا ثواب کم اور دوسرے کا ثواب زیادہ ہے جس کسی شخص کی فکر و خیال میں دونوں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا تو شیطان دوسرے کام کی بجائے پہلے کام کی ترغیب دے گا تاکہ وہ بڑے ثواب سے محروم ہو کر تھوڑے تک رہ جائے۔ اسی طرح ایک طرف کسی جگہ دینی درس گاہ کے قیام کی ضرورت ہے اور دوسری طرف مسجد کی تعمیر کے اس پہ رنگ و روغن اور قیمتی پتھر لگانے کا مسئلہ ہے ظاہر ہے کہ مسجد پہ رنگ روغن اور قیمتی پتھر لگانے کی نسبت دینی درس گاہ کی تعمیر میں خرچ کرنے کا ثواب زیادہ ہے مگر شیطان کی کوشش ہوگی کہ دینی درس گاہ پہ خرچ کرنے کی بجائے رنگ و روغن اور قیمتی پتھروں پہ خرچ کرائے تاکہ انسان زیادہ ثواب سے محروم ہو جائے۔ اسی طرح ایک طرح اہلسنت کے مسلکِ حق پہ مشتمل رسائل و کتابیں چھاپنے کا معاملہ ہے اور دوسری طرف مزاراتِ اولیاء پہ غلاف چڑھانے اور وہاں دیگیں پکا کر بانٹنے کا مسئلہ ہے لیکن پہلے کام کا ثواب بہت زیادہ اور صدقہ جاریہ میں آتا ہے لیکن شیطان کی کوشش ہوگی کہ انسان

کو پہلے کام کی بجائے دوسرے میں لگائے تاکہ انسان عظیم الشان ثواب اور صدقہ جاریہ کے ثواب سے محروم ہو جائے۔

حکومت اور مالداروں کے لیے ہدایت

اسی طرح حکومت کے اخراجات کی ترجیحات اور دولتمندوں کی دولت کے مصارف کا مسئلہ اصلاح طلب ہے حکومت انگریزی زبان کو ترجیح دیتی ہے اور اس کے مقابلہ میں عربی زبان کو کم اہمیت دیتی ہے۔ سکولوں اور کالجوں پر اور ان کے معاملات پر دولت پانی کی طرح بہاتی ہے مگر دینی مدارس پر خرچ کرنے اور علماء طلباء پر مصارف اٹھانے میں بخل سے کام لیتی ہے۔ یہ سب شیطان کی کارستانیوں کے نتائج ہیں کہ دنیا پر تو بہت خرچ کیا جائے اور دین کو محض عوامی چندوں کے سہارے پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح دولتمند لوگ اپنی دولت محض اپنی صوابدید پر خرچ کرتے ہیں اور غیر ضروری کاموں کو ضروری سمجھ کر ان پر دولت لٹاتے ہیں اور ضروری کاموں کو غیر ضروری تصور کر کے ان پر خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں جسکی وجہ سے عند اللہ بڑے اجر سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان سب کے لیے ہدایت اور اصلاح کی بات یہ ہے کہ وزیر خزانہ بجٹ بناتے وقت اور دولتمند لوگ اپنی دولت رفاہی کاموں پر خرچ کرتے وقت ایسے علماء کرام سے مشورہ کریں جو قرآن و سنت اور فقہ و شریعت پر مکمل عبور رکھتے ہیں ان کے مشورہ سے خرچ کریں گے تو زیادہ ثواب پائیں گے کیونکہ یہ بات ایسے علما ہی جانتے ہیں کہ کس کام پر خرچ کرنا نسبتاً زیادہ ثواب ہوگا یہی وجہ ہے کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ " فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ٥ " یعنی اگر تم علم دین نہیں رکھتے تو ان سے پوچھ کر عمل کرو جو علم والے ہیں۔"

شیطان کے ساتھی!

امام کی مسند میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جو شخص جنت کے عین درمیان ہونے کا شوق رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ "جماعت" سے الگ نہ ہو کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے پھر تین سے اور زیادہ دور۔ الخ

دوسری حدیث میں حضرت عرفجہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جماعت" پر اللہ کا ہاتھ ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہے وہ شیطان کا ساتھی ہے جو جماعت کے خلاف کرے اور حدیث میں ہے "جماعت" پر اللہ کا ہاتھ ہے پس جب کوئی شخص جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا اسے شیطان اچک کر لے گیا جیسے بھیڑیا بھیڑ بکری کو کھا جاتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان، انسان کا بھیڑیا ہے جیسے بکری اور بھیڑ ریوڑ سے الگ ہو اسے بھیڑیا کھا جاتا ہے اسی طرح جماعت سے الگ ہونیوالے انسان کو شیطان ہلاک کر ڈالتا ہے یعنی گمراہ کر دیتا ہے۔ جماعت سے اہل سنت و جماعت کے علماء کی جماعت مراد ہے چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ علماء اہل سنت کی جماعت کا متفقہ فیصلہ ہی حجت ہے اور انہی کا اجماع حجت ہے۔

المراد اجماع العلماء ولا عبرۃ باجماع العوام (ج ۱ ص ۲۰۵)

اجماع (جو قرآن و سنت کے بعد حجت ہے اس) سے مراد علماء اہل سنت کا اجماع ہے، عوام کے اجماع و اتفاق کا کوئی اعتبار نہیں۔

پھر فرماتے ہیں کہ

وھذا فی اصول الاعتقاد کارکان الاسلام (ج ۱ ص ۲۰۵)

علماء اہلسنت کا اجماع اصول اعتقاد میں اسلام کے ارکان کی طرح ہے۔

یعنی جیسے نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ اسلام کے اہم رکن ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے ایسے ہی علماء اہل سنت و فقہاء دین و ملت کا اجماع اور ان کا متفقہ فیصلہ بھی واجب العمل ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ یہاں طاہر القادری جیسے بے لگام نام نہاد مفکروں کو عبرت حاصل کرنا چاہیئے جو عورت کی نصف دیت جیسے اجماعی و متفقہ

مسئلہ کا انکار کر کے گمراہی کی وادی میں بھٹکے پھر رہے ہیں اور شیطان کی چالوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

علماء کا مقام جبکہ علماء اہل سنت کا مقام انبیاء علیہم السلام کے بعد دوسرے درجہ پر ہے یعنی انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء اہل سنت افضل و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ مرقات میں ہے کہ

العلماء افضل النّاس بعد الانبیاء (مرقاۃ ج ۱ ص ۲۲۸) — علماء اہل سنت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب لوگوں سے افضل و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

لہٰذا ان کے فیصلوں کا انکار شیطان کی رفاقت اور گمراہی ہے اس سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیئے۔

قرآن و سنّت و اجماع کے مقابلہ میں قیاس آرائی شیطانی فعل ہے

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ قرآن و سنت اور اجماع کے مقابلہ میں قیاس آرائی شیطانی کام ہے اس سے پرہیز ضروری ہے، امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ وہ ابلیس ہی ہے جس نے سب سے پہلے قیاس آرائی کی۔ اور چاند و سورج کی پوجا بھی قیاس سے عمل میں آئی۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ہی ہے جو سب سے پہلے قیاس کو لے بیٹھا (رواہما ابن جریر) یعنی اس نے اپنے اور آدم کے درمیان قیاس کا سہارا لیا اور اپنے آپ کو آدم سے افضل قرار دیا جس کے نتیجے میں سجدہ کرنے سے انکاری ہوا حالانکہ اللہ کا حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرے۔ لہٰذا وہ گمراہ ہو گیا۔ ثابت ہوا کہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں قیاس کرنا جائز نہیں۔ امام بغوی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے نوحہ کرنے والا شیطان ہے اور حضرت جابر کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سب سے پہلے گانے والا شیطان ہے یعنی شیطان نے ہی گانے کا آغاز کیا لہٰذا گانا بجانا شیطانی فعل ہے (الآکام ص۱۷۴)

سُنی سنائی باتوں کو پھیلانا اور افواہیں اڑانا شیطانی کام ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنی سنائی باتوں کو پھیلانا اور افواہیں اڑانا شیطانی کام ہے اس سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کے جھوٹے ہونے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ کسی سے کوئی بات سن کر اسے آگے پھیلا دے۔ اور فرمایا کہ شیطان انسان کے بھیس میں آکر ایک بے سر و پا بات کو بیان کرتا ہے پھر اسے دوسرا شخص پھر اس سے تیسرا شخص، اسی طرح ہوتے ہوتے ایک سے دوسرا دوسرے سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ جب تحقیق کی جائے تو اس بات کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہوتی یہ سب شیطان کے کارنامے ہیں (الآکام ص۱۷۶-۱۷۷)

بے علم پیر اور شیاطین کی کارگذاری

شیطان علم کا دشمن اور بے علم پیروں اور جاہل صوفیوں کا دوست ہے افسوس کہ آج مدعیانِ تصوف اور دعویداران طریقت و پیری کی اکثریت بے علم ہے مگر ارباب خانقاہوں کی نسبت سے پیری و مریدی کی دوکانیں چمکائے بیٹھے ہیں مجدد دین وملت امام اہل سنت، غوث الاعواث وقطب الاقطاب سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات شریف میں ہے "حدیث میں ارشاد ہوا" المتعبد بغیر فقہ۔ کالحمار فی الطاحون" بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ مشقت والی محنت کرے اور حاصل کچھ نہیں شیطانی بے علم صوفی (پیر طریقت بننے والے) کو کچے دھاگے کی لگام ڈالتا ہے ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت بچھتا ہے شیاطین کی کارگذاری پیش ہوتی ہے کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کرائے، سب کی سُنی، کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب علم کو پڑھنے سے باز رکھا سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگا لیا اور کہا "اَنْتَ اَنْتَ" تو نے کام کیا اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے، کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کئے انکو کچھ نہ کہا اور اسکو اتنی شاباشیں دیں، ابلیس بولا، تمہیں نہیں معلوم، جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے، بتاؤ وہ کونسی جگہ ہے جہاں سب سے بڑا عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو؟ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لئے ہوئے اس مقام پر پہنچا، اور شیاطین مخفی رہے۔ اور یہ انسانی شکل بن کر راستہ پر کھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد نماز فجر کے واسطے مسجد

کی طرف تشریف لائے راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا " السلام علیکم ، وعلیکم السلام "
حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد نے فرمایا ، جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔
اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا کیا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات
وارض (آسمانوں اور زمین) کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے ؟ عابد صاحب
نے سوچا اور کہا کہاں آسمان وزمین ، اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا ، بس یہی پوچھنا
تھا ، تشریف لے جائیے۔ اور شیاطین سے کہا دیکھو میں نے اسکی راہ مار دی۔
اسکو اللہ کی قدرت ہی پر ایمان نہیں۔ عبادت کس کام کی۔ طلوعِ آفتاب کے قریب
عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم ، وعلیکم السلام ،
مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے انہوں نے فرمایا پوچھو جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔
اس نے وہی سوال کیا عالم نے کہا ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے۔
کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوئی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان
وزمین داخل کر دے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہے عالم صاحب کے
تشریف لے جانے کے بعد ابلیس دوسرے شیاطین سے بولا ، دیکھا یہ علم ہی کی
برکت ہے۔" (ملفوظات ج ۳ ص ۲۵ ، ۲۶ ، ۲۷ و آکام المرجان)

شیطانی خواہش

" اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم " میں اس بات
کی تعلیم وتلقین ہے کہ شیطانی خواہش سے پرہیز کی جائے جب کوئی تعوّذ کرتا ہے
یا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہو کہ میں خدا کی پناہ مانگتا
ہوں شیطان مردود سے اور اسکی جملہ خواہشات سے۔ شیطان اپنی خواہشات
سے پہچانا جاتا ہے۔ شریعت نے انسان کو شیطانی خواہشات پر چلنے سے منع کیا ہے نفس کی خواہش سے منع نہیں کیا۔
بلکہ نفس کی خواہش کو بقدر استطاعت پورا کرنا نفس کے حقوق میں سے ہے اور حقوق کی ادائیگی استطاعت کے مطابق ضروری ہے۔

نفسانی اور شیطانی خواہش میں فرق

جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ انسان پر شیطان کے تسلط کا ذریعہ نفس ہے۔ نفس کی ہر ناجائز خواہش، شیطانی خواہش ہے نفس کو ایسی خواہش سے باز رکھنا جہادِ اکبر ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ (النازعات ۴۰، ۴۱)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

یعنی نفس کو حرام چیزوں کی خواہش سے روکا۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ ایسی خواہشِ نفس ممنوعات کی جڑ اور محرمات کی بنیاد ہے۔ امام ابوبکر وراق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خواہشِ نفس سے بدتر کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ نفس و شیطان کی خواہش میں فرق یہ ہے کہ نفس کی خواہش میں دوام ہے جبکہ شیطان کی خواہش میں تغیّر ہے کہ وہ ایک ایک چیز کی خواہش کرتا چلا جاتا ہے ایک پوری نہ ہوئی تو دوسری کی خواہش ڈال دی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے بے شمار خواہشات دل میں ڈالتا چلا جاتا ہے لیکن نفس ایک خواہش کر کے اس پر جم جائیگا جب تک وہ پوری نہ ہو اسی کا خیال رہے گا حدیث میں ہے:

اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا ۔ کہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔

نفس کی جائز خواہش پوری کریں جبکہ اسکی استطاعت ہو۔

ترکِ خواہشِ نفس کے مراتب

ترکِ خواہشِ نفس کے کئی ایک مراتب ہیں ان میں سے سب سے کم درجہ یا پہلا درجہ یہ ہے:

اجتناب ما هو یخالف ظاهر النصوص واجماع السلف وبہ یصیر مُسلماً سُنیاً۔ (التفسیر المظہری ج ۱ ص ۱۹۳)

پرہیز کرنا ہر اس چیز سے جو قرآن و سنت کی واضح عبارات اور سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہو اور اسی سے انسان ایک مسلمان اہلسنت قرار پاتا ہے۔

سنّی کی تعریف

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں سنی مسلمان کی تعریف فرما کر صحیح العقیدہ اور غیر صحیح العقیدہ یعنی سنی اور غیر سنی کے درمیان حدِ فاصل قائم کر دی تمام اہل سنت مسلمانوں کو اس حقیقت کا علم ہونا چاہیئے کہ سنی کسے کہتے ہیں اور غیر سنی کون ہے تاکہ نفس پرست جو حق پرست کے روپ میں آکر دھوکا دے رہے ہیں واضح ہو جائیں، فروعی مسائل میں سنّیوں کی حمایت یا موافقت کر لیتے ہیں مثلاً میلاد شریف، عرس مبارک درود وسلام مع قیام اور اہل سنّت بزرگوں سے نسبت قادریت و نقشبندیت وغیرہما کا حصول، اس قسم کی تمام فروعی باتیں اپنا لیتے ہیں جس سے سنّی لوگ دھوکا کھا کر انکو اہل سنت سے سمجھ کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور انکو اپنا راہنما و امام اور پیر و مرشد تک بنا لیتے ہیں حالانکہ وہ امام اصولی و بنیادی اعتقادی مسائل میں بھٹکے ہوئے ہیں اور اس طرح اندر سے اہل سنت نہیں ہوتے گمراہ و بددین یا بے دین ہوتے ہیں۔ کوئی صحابہ کا دشمن ہوتا ہے جیسے محمود شاہ ہزاروی جسے محدث ہزاروی کہا جاتا ہے وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت بے ادب اور گستاخ ہے حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے پر سنت و اجماع امت قائم ہے اور صحابہ تمام کے تمام عدول ہیں اور جنتی ہیں ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور اجتہاد میں مجتہد سے صواب و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے پہلی صورت میں دو اجر اور دوسری صورت میں ایک اجر کا مستحق بہر صورت ہوتا ہے ایسے لوگ صحابہ رض کے بے ادب و گستاخ ہونے کے باوجود بھولے بھالے سنیوں کے پیر و مرشد بنے

ہوئے ہیں، اسی طرح طاہر القادری بانی منہاج القرآن اجماع امت کا منکر ہے اسی انکار کا نتیجہ ہے کہ اس نے عورت کی نصف دیت کا انکار کر دیا ہے اور اس کے رد میں اہل سنت کے مسلم پیشوا حضرت علامہ سید احمد سعید الکاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے "اسلام میں عورت کی دیت" کتاب لکھی جس میں ثابت کیا کہ عورت کی نصف دیت قرآن و سنت کا مقتضا ہے اور امت کے اجماع سے ثابت ہے جس کا انکار گمراہی ہے ایسے لوگ جو دراصل شیاطین ہیں وہ سنی بن کر عوام کو اپنے پیچھے لگائے ہوئے ہیں اور بعض مفاد پرست نام نہاد علماء جنہیں حدیث میں علماءِ سو (دنیا پرست و گمراہ) علماء کہا گیا ہے۔ ان شیاطین سے ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں اور ان کی گمراہی پر، پردہ ڈالتے ہیں۔ مسئلہ دیت کوئی معمولی مسئلہ نہیں، قرآن کریم نے اسکو بیان کیا ہے، حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تشریح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا اور آپ کے صحابہ کرام نے اس پر اجماع کیا راقم نے عورت کی نصف دیت پر باون صریح حدیثیں جمع کی ہیں اور ان کے مقابلہ میں ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں صراحت ہو کہ عورت کی دیت سو اونٹ ہے جیسے مرد کی سو اونٹ، جبکہ مقابلہ میں عورت کی دیت سے متعلق کہیں نصف کا لفظ صراحت کے ساتھ موجود ہے اور کہیں پچاس اونٹ کا اور کہیں قیمت کی صورت میں پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم کا تذکرہ ملتا ہے اور مرد کی دیت اس کا ڈبل ہے یعنی سو اونٹ، یا قیمت کی صورت میں ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم۔ یہ سب حدیثوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اس لیے نصف دیت سنت سے بھی ثابت ہے۔ اور اسی پر اجماع اجماعِ صحابہ و ائمہ بھی ہے (ملاحظہ ہو بدائع الصنائع ج ۷، ص ۲۵۴ والمغنی ج ۷، ص ۲۹۷ والمقنع ج ۳ ص ۳۹۰ واعلاء السنن ج ۱۸ ص ۱۴۲ و مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۲۸ و شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۶۲ و فقہ السنۃ ج ۲ ص ۵۶۳) دیگر حوالہ جات بخوفِ

طوالت ترک کیے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ طاہر القادری ایک اجماعی مسئلہ کا منکر ہو کر اہلسنت سے خارج اور گمراہ ٹھیرا کیونکہ اہل سنت کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ قرآن وسنت کے ظاہرِ نصوص اور اجماع سلف صالحین کے خلاف نہ چلے یہ ترکِ خواہشِ نفس کا پہلا درجہ ہے اور اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ معصیت و گناہ کا خیال آئے تو خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کو یاد کر کے اس خیالِ گناہ سے باز آجائے اور اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ شک و شبہ والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے بھی پرہیز کرے جن کے کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے مقابلہ میں اولیٰ اور بہتر چیز پر عمل کرے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں ؎

خَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا ٭ وَاِنْ هُمَا مَحَضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

ترجمہ: نفس اور شیطان کی مخالفت اور انکی نافرمانی کر ٭ اور اگرچہ وہ تجھے خالص نصیحت بتائیں تو اسے جھوٹ یقین کر

جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ خواہشِ نفس ہی شیطان کے انسان تک پہنچنے اور اس کے گمراہ کرنے کا راستہ ہے۔ چنانچہ قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں:

لان سبيله الى الانسان غالبًا يكون بتوسط الهوى (تفسیر مظہری ج ۱ ص ۱۹۰)	کیونکہ شیطان کا راستہ غالباً انسان کی طرف خواہشِ نفس کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

شیطان کا سُرمہ چٹنی اور نسوار امام بیہقی علیہ الرحمۃ اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

اِنَّ لِلشَّیطَانِ کحلا ولعُوقا ونَشُوقا فاما لعوقہ فالکذب واما نشوقہ فالغضب واما کحلہ فالنوم۔

کہ شیطان کے پاس ایک سرمہ چٹنی اور نسوار ہے۔ پس اسکی چٹنی جھوٹ، اسکی نسوار غصہ اور اس کا سرمہ نیند ہے (کنز العمال ج ا ص ۲۴۰)

امام ابن ابی الدنیا اپنی کتاب " مکائد الشیطان " میں طبرانی اور عبد الرزاق کی مسند کے حوالہ سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ

" شیطان کے پاس سرمہ اور چٹنی ہے۔ پس جب وہ انسان کی آنکھوں میں اپنا سُرمہ ڈالتا ہے تو اسکی آنکھیں یادِ الٰہی سے (غافل ہو کر) سو جاتی ہیں اور جب اسے اپنی چٹنی میں سے کچھ چٹاتا ہے " ذَرَبَ لِسَانُهٗ بِالشَّرِّ " تو اسکی زبان گندی باتوں میں تیز ہو جاتی ہے (کنز العمال ج ا ص ۲۴۵)

شیطان کے پھندے اور جال امام ابن عساکر حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ راوی ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

" شیطان کے بہت سے پھندے اور جال ہیں اور بے شک اس کے پھندوں اور جالوں میں سے ایک اللہ کی نعمتوں اور اس کی عطا (مال و دولت، صحت و تندرستی اور طاقت وغیرہ ایسے خدائی احسانات) پر اترانا اور فخر کرنا اور اللہ کے بندوں پہ تکبر کرنا اور رضائے الٰہی پہ چلنے کی بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرنا (کنز العمال ج ا ص ۲۴۶)

یعنی شیطان کے بہت پھندے اور جال ہیں ان پھندوں اور جالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالےٰ اپنی طرح طرح کی نعمتوں سے نوازے۔ مثلاً

تندرستی اور صحت بخشے یا اُسے اولاد اور مال و دولت کی فراوانی دے تو وہ شخص اس پر
اللہ تعالیٰ کا شکر گذار ہونے اور صحت و توانائی اور مال و دولت کو اس کے راستہ میں
خرچ کرنے کی بجائے اترانے اور غرور کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو
بہ نظر حقارت دیکھنے لگے جو صحت و توانائی یا مال و دولت میں اس سے کم ہیں۔ اور اس
کی دینی اخلاقی خوبیوں کو نظر انداز کر دینا۔ کسی شخص کا کسی شخص کی دینی و اخلاقی خوبیوں کو
نظر انداز کرتے ہوئے اس سے محض اس لئے رشتہ نہ جوڑنا اور تعلق قائم نہ کرنا بلکہ اس سے
بے نیاز ہو جانا کہ وہ اس کے برابر مالی وسائل نہیں رکھتا یا اس سے مال و دولت میں کم ہے
یہی تکبر اور غرور ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے اس لیے اسے شیطان کا پھندا
اور شیطان کا جال قرار دیا گیا۔

روحانی طاقت

عام انسان جنات وشیاطین کو نہ تو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پکڑ سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب بندے جنات وشیاطین کو دیکھ سکتے ہیں اور پکڑ بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ "حضرت ابوایوب انصاری کا ایک خیمہ یا چھوٹا سا خیمہ نما مکان تھا، جس میں کھجوریں تھیں، جنات وشیاطین انسان کی صورت میں آکر ان کی کھجوریں لیکر بھاگ جاتے تھے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اب جب تم اسے دیکھو تو کہہ دو کہ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ حضرت ایوبؓ نے اسے پکڑ لیا اور حضور کی خدمت میں چلنے کو کہا تو اس جن یا شیطان نے قسم کھائی کہ وہ دوبارہ نہیں آئیگا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا "مَا فَعَلَ اَسِیْرُکَ"؟ کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ دوبارہ نہیں آئیگا آپ نے فرمایا، "اس نے جھوٹ بولا ہے اور اسے جھوٹ کی عادت ہے چنانچہ وہ پھر آگیا آپ نے اسے پکڑ لیا تو اس نے پھر قسم کھائی کہ وہ پھر نہیں آئیگا آپ نے اسے پھر چھوڑ دیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ پھر نہیں آئیگا آپ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا ہے اور اسے جھوٹ کی عادت ہے۔ وہ پھر آگیا تو انہوں نے اسے پھر پکڑ لیا اور فرمایا کہ "مَا اَنَا بِتَارِکِکَ" کہ میں اب تجھے نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ میں تجھے ایک چیز بتاؤں:

آیۃَ الْکُرْسِی اِقْرَءْھَا فِیْ بَیْتِکَ فَلَا یَقْرُبُکَ شَیْطَانٌ وَّلَا غَیْرُہٗ۔ — اپنے گھر میں آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو تو کوئی شیطان وغیرہ تمہارے قریب نہیں آئیگا۔

(ترمذی ج ۲ ص ۱۱۱)

یعنی تمہارے گھر میں داخل نہ ہوگا۔ تو حضرت ابوایوب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا حال سنا دیا آپ نے فرمایا کہ اس نے جھوٹے ہونے کے باوجود سچ کہہ دیا۔

اس حدیث سے کئی ایک مسائل معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتِ صحبت سے صحابہ کرام میں روحانی طاقت بہت تھی اور یہ روحانی طاقت، شیطانی طاقت پر غالب ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ مسلمان کے نزدیک قسم کی بڑی اہمیت ہے لہٰذا قسم پر اعتبار کرنا چاہیئے بشرطیکہ قسم کے خلاف کوئی ایسا شرعی یا عقلی قرینہ نہ پایا جاتا ہو جو قسم کی صداقت کو ختم کر دیتا ہو۔ تیسرا یہ کہ شیاطین وجنات کھاتے پیتے ہیں۔ پانچواں یہ کہ جھوٹی قسمیں کھانا شیطانوں کا کام ہے۔ چھٹا یہ کہ جنات وشیاطین آیۃ الکرسی پڑھنے والے کے قریب نہیں آتے۔ ساتواں یہ کہ جس گھر میں رات کو آیۃ الکرسی پڑھی جائے وہ گھر جنات وشیاطین سے محفوظ رہتا ہے۔ آٹھواں یہ کہ جھوٹا بھی کبھی سچ بات کہہ دیتا ہے۔

شیطانی کارنامے

شیطان کی پہچان اس کے کارناموں سے ہوتی ہے قرآن کریم نے شیطان کے چند کارناموں کا تذکرہ کیا ہے تاکہ ہم ان کارناموں کے ذریعے شیطان اور شیطان صفت انسانوں کو پہچان سکیں۔

محبوبانِ خدا تعالیٰ کی بے ادبی

شیطان کا پہلا کارنامہ جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں بیان فرمایا وہ یہ ہے کہ شیطان محبوبانِ خدا تعالیٰ کی تعظیم وتکریم کا منکر ہے بلکہ ان کی توہین میں سکونِ قلب پاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر کے انکی تعظیم وتکریم کا عملی مظاہرہ کریں تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان جسے ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا ہے، سجدہ سے

انکاری ہوگیا اور تکبّر و غرور کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ "
(سورہ بقرہ) کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے سے کافر ہوگیا۔ یہ سجدہ بظاہر آدم کو مگر
درحقیقت نورِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جو حضرت آدم کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ یوں وہ
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب بھی ٹھہرا۔

بے ادبی کی سزا

آخر اللہ تعالےٰ نے اسکی اس بے ادبی پر اسے یہ سزا دی
کہ اسے جنت سے نکال دیا اور تا قیامت اس پر لعنت فرما دی۔ چنانچہ قرآن مجید میں
ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (سورۂ حجرات آیت ۳۴ - ۳۵)

تو جنت سے نکل جا پس بے شک تو مردود ہے اور بے شک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا جو بارگاہ خدا تعالےٰ اور بالخصوص نبیوں اور رسولوں کی تعظیم کا
منکر یا انکی توہین کرنے والا جب بے توبہ مرے جنت میں نہ جائیگا اور یہ کہ ان کا بے
ادب و گستاخ ملعون و مردود ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا علم والا ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ
نبیوں اور رسولوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ملعون و
مردود ہونے کیوجہ سے وہ ہرگز ہرگز اکرام و احترام کا مستحق نہیں رہتا بلکہ اسکی حوصلہ شکنی و
اہانت کی جائیگی چنانچہ ابلیس ملعون کو ذلیل کرکے جنت سے نکالا گیا ایک گستاخی کے مقابلہ
اسکی ہزارہا سال کی عبادت و ریاضت ناکارہ ہو کر رہ گئی۔ حتٰی کہ فرشتوں کو حکم ہوگیا کہ یہ
ملعون جب آسمانوں کا رُخ کرے تو اس پر آگ کے شعلے برسا کر اسے نیچے کو رخ کرنے
پر مجبور کر دیا جائے، اور جب ماہِ رمضان آتا ہے جو نہایت ہی برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہے
تو اس ملعون کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے حالانکہ شیطان ملعون بہت علم رکھتا تھا۔

مگر علم کے باوجود ہدایت سے محروم ہوگیا علم کے لیے ہدایت ضروری نہیں یا دوسرے لفظوں میں علم اور ہدایت ایکدوسرے کو لازم و ملزوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ یہود کے علماء جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اُسے نہ اٹھایا یعنی علم کے باوجود عمل نہ کیا اور ہدایت نہ پائی ان کا حال گدھے کا سا ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ قرآن میں ایک اور جگہ فرمایا گیا کہ:

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (سُورۃ جاثیہ: ۲۳)	بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھیر الیا اور اللہ نے علم کے باوجود گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس آنکھیں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

اسمیں بتایا گیا ہے کہ علم کے باوجود وہ خواہش کا بندہ ہو کر گمراہ ہوگیا اور گمراہی میں ایسا دور چلا گیا کہ کان دل اور آنکھ میں جو سننے، فکر کرنے اور دیکھنے کی استعداد و قوت قدرت باری تعالیٰ نے ودیعت رکھی تھی اس سے کام نہ لیا۔

سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شیطان سے گفتگو

سیدنا غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بار شیطان (ابلیس) کو خواب میں دیکھا اور میرے ارد گرد بہت سے لوگ تھے تو میں نے اس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ شیطان ملعون نے مجھ سے کہا کہ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں اور میرا کیا قصور ہے؟ اگر بری تقدیر جاری ہو چکی ہے (یعنی یہ بات پہلے علم الٰہی میں تھی کہ فلاں وقت و فلاں جگہ اور فلاں شخص کے ذریعے فلاں برائی عمل میں آئیگی) تو میں اسے بھلائی میں نہیں بدل سکتا اور نہ ہی اس برائی کو بھلائی کی طرف منتقل کر سکتا ہوں اور بھلی تقدیر جاری ہو چکی ہے تو میں اسے برائی میں نہیں بدل سکتا اور نہ ہی اسے برائی کی طرف منتقل کر سکتا ہوں تو میرے ہاتھ میں یا میرے اختیار میں کونسی چیز ہے؟

اور شیطان کی صورت مخنثوں کی صورت پہ تھی (یعنی مذکر و مؤنث دونوں صفتیں رکھتا تھا) نرم کلام والا، بدشکل تھا اسکی ٹھوڑی پہ بالوں کی ایک لِٹ تھی نفرت انگیز شکل، بُری خلقت، بے ڈھنگے جسم والا تھا۔ پھر بڑی شرمندگی سے میرے سامنے مُسکرا دیا۔ اور یہ خواب میں نے اتوار کی شب ۱۲ ذی الحجہ ۵۱۶ھ کو دیکھا (فتوح الغیب مع بہجۃ الاسرار صہ ۴۹، ۵۰)

اسکی شرح میں شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت اکیس سال کی تھی جب آپ نے یہ خواب دیکھا کیونکہ آپ کی ولادت ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ کو ہوئی لہٰذا یہ واقعہ حضرت والا کے ابتداءِ احوال کے زمانہ کا ہے جب آپ تحصیلِ علم میں مصروف تھے (شرح فتوح الغیب صہ ۱۱۴)

حل مشکل

یہاں ایک مشکل ہے جسے حل کرنا ضروری ہے اور وہ تقدیر کا مسئلہ ہے جسے شیطان نے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کر کے اپنی براءت کا اظہار کرتے

ہوئے اسکی ذمہ داری اللہ تعالےٰ پر عائد کر دی۔ یہ اس کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی ہے دراصل اللہ تعالیٰ کے علم کا کمال ہے کہ وہ خیر و شر کے وقوع سے پہلے ہی خیر و شر کو جانتا تھا۔ علم کلام کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ علم معلوم کے تابع ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہے یعنی چونکہ شیطان نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنا تھا اس لیے اللہ تعالےٰ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ جب شیطان کو سجدہ کا حکم فرمائیگا تو شیطان تکبر کرے گا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیگا۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم نے اسے متکبر اور منکر بنا دیا۔ اسی طرح اسے علم تھا کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرے گا اور ان سے برائی کا ارتکاب کرائے گا، اگر اس نے ایسا نہ کرنا ہوتا تو علم ویسا نہ ہوتا، چونکہ اس نے گمراہ کرنا اور برائی کو فروغ دینا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم تھا۔ لہٰذا یہ برائی کی ذمہ داری شیطان اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر ہوگی۔ اللہ تعالےٰ پر نہیں۔

شیطان کا آدھا لشکر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "عورت واجب الستر چیز ہے (جس کا پردے میں ہونا ضروری ہے) جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ عورت اس وقت خدا تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے حجرے میں ہوتی ہے اور یہ کہ شیطان نے عورت کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تو میرا آدھا لشکر ہے اور میرا وہ تیر ہے جسے میں پھینکتا ہوں تو نشانہ سے خطا نہیں کرتا۔ (آکام المرجان ص ۱۶۹)

ایک عبادت گذار اور شیطان .

امام عبید بن رفاعہ کی مسند سے امام ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں اور امام ابن مردویہ سے امام بیہقی نے روایت کیا کہ "بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی اسے شیطان نے پکڑ لیا اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ اس عورت کی دوا فلاں فلاں راہب (یے علم عبادت گذار) کے پاس ہے اور وہ راہب ایک عبادت گاہ میں (عبادت و ریاضت میں مصروف) تھا - تو بنی اسرائیل اس عورت کو اس کے پاس لے گئے اور اس کو قبول کرنے (یعنی اس کو علاج کے لیے اپنے پاس رکھ لینے) پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس عبادت گذار نے اسے قبول کر کے اپنے پاس رکھ لیا - پھر اس کے پاس شیطان آیا اور اس کے دل میں برائی کا خیال ڈالا یہاں تک کہ وہ برائی کر گذرا جس سے وہ مریضہ حاملہ ہو گئی . اس کے بعد اس کے پاس شیطان پھر آ گیا اور اس عبادت گذار سے کہا کہ اب تمہاری رسوائی ہو گی - اس مریضہ کے سرپرست آئیں گے تم (ان کے آنے سے پہلے ہی) اس کو مار ڈالو اور دفن کر دو ، پھر اگر وہ آگئے تو کہہ دینا کہ وہ مر گئی تھی ، اور میں نے اسے دفن کر دیا تھا - تو اس نے ایسا ہی کیا کہ اسے قتل کر کے دفن کر دیا - پس اس کے وارث آگئے اور انہوں نے اپنی عزیزہ عورت کو موجود نہ پایا ، تو شیطان نے ان کے دل میں خیال ڈالا کہ اس عابد و زاہد نے اسے قتل کر کے دفن کر دیا ہے تو وہ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ مر گئی تھی تو میں نے اسے دفن کر دیا - تو شیطان اس عابد کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ہی اس عورت کو پکڑا تھا اور میں نے ہی ان کے دل میں یہ ڈالا تھا کہ وہ اس عورت کو علاج کے لیے آپ کے پاس لائیں کہ اس کی دوا آپ کے پاس ہے اور میں نے ہی تیرے دل میں برا خیال ڈالا حتیٰ کہ تو نے اسے قتل کیا اور دفن کیا اور میں نے اس کے وارثوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ تو نے اسے قتل کیا اور دفن کر دیا - اب تم میری اور بات مان تو تم چھوٹ جاؤ گے اور وہ یہ کہ تم مجھے دو بار سجدہ کرو (تو میں تمہیں چھڑا لوں گا) آخر اس نے اسے دو بار سجدہ کیا .

(اور کافر ہوگیا پھر قتل کے الزام میں گرفتار ہوا اور قصاص میں خود بھی قتل ہوگیا)
اور وہ عابد وہی شخص ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے۔

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿١٧﴾

(سورۃ الحشر ۱۶-۱۷)

(جیسے) شیطان کی کہاوت، جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کر لیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب، تو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں آگ میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان گمراہوں اور کافروں سے گمراہی اور کفر کا ارتکاب کرا کر ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب پورا ہو جاتا ہے پھر گمراہ اور کافر اپنی گمراہی میں اور کفر میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ نیز یہ کہ شیطان بھی خدا سے ڈرتا ہے لیکن اس طرح کا ڈر اسے خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ جس خوف کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری شامل نہ ہو اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اس کے برعکس مؤمن اور مسلمان خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگا رہتا ہے ایسا ڈر مؤمن و مسلمان کی نجات اور اس کی اخروی ترقی اور خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

شیطان اور شیطان صفت انسان!

"اعوذ باللہ من الشیطن الرّجیم" میں جہاں شیطان کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے وہاں شیطان صفت انسانوں سے بھی خدا تعالےٰ کی پناہ مانگنے کی ضرورت و اہمیت کو فراموش نہ کیا جائے جیسے انسانوں کے دل پر شیطان وسوسہ ڈالتا ہے ایسے ہی کچھ شیطان صفت انسان بھی ہیں جو دوسرے انسانوں کو بُرے عقیدے اور بُرے عمل کی ترغیب دیتے اور ان پر شیطان کی طرح وسوسے ڈالتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے بدعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی صحبت سے منع کیا اور اسکے برعکس صحیح العقیدہ اور صحیح العمل لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ ہونے کا حکم فرمایا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹)

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اور شیطان صفت انسانوں سے نہ صرف دور رہنے کا حکم ہے بلکہ ان سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ:

قُلْ اَعُوْذُ برب الناس ۝ ملك الناس ۝ الٰہ النّاس ۝ من شر الوسواس الخنّاس الذی یوسوس فی صدور النّاس ۝ من الجنۃ وَالنّاس ۝ (الناس)

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب سب لوگوں کا بادشاہ، سب لوگوں کا خدا، اس کے شر سے جو دل میں بُرے خطرے ڈالے اور دبک رہے، وہ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں جن اور آدمی۔

شیطان کی عادت

شیطان کی عادت ہی یہ ہے کہ انسان جب غافل ہوتا ہے تو اس کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان دبک رہتا ہے اور ہٹ جاتا ہے۔ اس سورۂ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ شیطان جنوں سے بھی ہوتا ہے اور

انسانوں سے بھی، جیسے شیاطینِ جن، انسانوں کو وسوسوں میں ڈالتے ہیں ایسے ہی شیاطین الانس (شیطان صفت انسان) ناصح بن کر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں پھر اگر آدمی ان وسوسوں کو مان لیتا ہے تو اس کا سلسلہ بڑھ جاتا ہے پھر وہ اسے خوب گمراہ کرتے ہیں اور اگر آدمی ان سے متنفر ہوتا ہے تو وہ اس سے ہٹ جاتے ہیں اور دبک کر رہ جاتے ہیں لہٰذا آدمی کو چاہیئے کہ وہ شیاطینِ جن کے شر سے بھی پناہ مانگے اور شیاطینِ الانس (شیطان صفت انسانوں) کے شر سے بھی۔

شیطان صفت انسان شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں شیطان کا ذکر ہے وہاں بطورِ مثال شیطانِ انسان کا ذکر بھی ہے تاکہ مسلمانوں کو شیطان صفت انسانوں کی حقیقت کا علمِ کامل حاصل ہو اور وہ اس کے شر سے پناہ مانگیں مولانا رومی مثنوی میں فرماتے ہیں:

صد ہزاراں ابلیس و بلعم در جہاں ❊ ہم چنیں بود ست پیدا و نہاں

(ترجمہ) دُنیا میں لاکھوں ابلیس اور بلعم باعور (جیسے عابدانِ بد انجام) مشہور وغیر مشہور ہو گزرے ہیں

ایں دو را مشہور گردانید اِلٰہ ❊ تاکہ باشند ایں دو بر باقی گواہ

(ترجمہ) مگر (ان میں سے صرف) دونوں کو اللہ تعالےٰ نے مشہور کیا ہے تاکہ ان دونوں کا انجام باقی (ابلیسوں اور بلعم باعوروں کے احوال و اوصاف) پہ گواہ ہوں

ایں دو دزد آویخت بر دار بلند ❊ ورنہ اندر شہر بس دزداں بدند

(ترجمہ) اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ایمان کے ان دو چوروں (ابلیس و بلعم باعور) کو شہرت و رسوائی کی اونچی سولی پہ لٹکایا (کہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں) ورنہ دنیا کی بستی میں ایسے ایسے بہت سے چور ہو گذرے ہیں (اور ہیں)

(مثنوی شریف دفتر اول صفحہ ۸۴)

بلعم باعور بلعم باعور کا واقعہ اجمالی طور پہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ۔

(الاعراف: ۱۷۵)

اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے ایک عابد و زاہد شخص کا ہے جو مستجاب الدعوات تھا اسکی دعا قبول ہوتی تھی جس کا نام بلعم باعور تھا۔ اس نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسکی عزت خاک میں ملا دی اور اپنی بخشی ہوئی عزت و کرامت کی نعمت اس سے چھین لی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو شخص اللہ کے پیغمبر کی اور اسکی ہدایات و تعلیمات کی مخالفت کرتا ہے وہ بظاہر کتنا ہی عابد و زاہد بنتا ہو درحقیقت شیطان صفت انسان یا انسان نما شیطان ہے اور یہ کہ کسی ایسے شخص کو اپنا راہنما نہیں بنانا اور اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیئے۔ جو نادان لوگوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کے احکام کو پس پشت ڈال دے۔ جیسے آج کے نام نہاد بعض مذہبی یا سیاسی راہنما کبھی عوام کالانعام کے مطالبہ پر اور کبھی دین سے بے بہرہ مغرب زدہ عورتوں کی خواہش پہ شریعت مطہرہ کے مسلمہ احکام کو بدلنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ جیسے پروفیسر طاہر القادری نے عورت کی دیت کے اجماعی اور مسلمہ حکم کو بعض دین سے بے بہرہ عورتوں کے کہنے پر پس پشت ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک بہ اجماع و اتفاق طے شدہ عورت کی نصف دیت کا منکر ہو گیا اس شخص کی مثال اس بلعم باعور کی سی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام کا منکر ہو گیا یہ شخص بھی عورت کی نصف دیت اور نصف شہادت ایسے قرآن و سنت و اجماع امت سے ثابت شدہ قطعی احکام سے منحرف ہو گیا اور ائمہ دین متین کے نقش قدم پہ چلنے

کی بجائے ان کو اپنا فریق قرار دے کر ان کی بات کو سند تسلیم کرنے سے کھلا انکار کر دیا۔
اس کے الفاظ ہمارے پاس ٹیپ ہیں جنہیں ہر شخص سن سکتا ہے اعوذ باللہ من
الشیطن الرجیم میں جب شیطان الرجیم کا تصور آئے تو ایسے شیطان صفت گمراہ انسانوں کا تصور
بھی شاملِ استعاذہ ہونا چاہیئے ، جو شریعت کے مسلمہ احکام سے لوگوں کو منحرف کرنے
کے درپے ہیں۔

شیطان کی ہنسی

صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب تم میں سے کوئی نماز کی حالت میں جمائی لے (یا تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے) تو جہاں تک ہو سکے اپنا منہ بند کرے پس بے شک شیطان داخل ہو جاتا ہے"۔ اور صحیح بخاری میں یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں

"اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوۃِ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا یَقُلْ ھَا فَاِنَّمَا ذٰلِکُمْ مِنَ الشَّیْطٰنِ یَضْحَکُ مِنْہُ۔

(مشکوٰۃ: ص۹۰)

جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے (یا وہ نماز میں جمائی لے) تو جہاں تک ہو سکے اپنا منہ بند کرے اور "ھا" نہ کہے کہ یہ تو شیطان کی طرف سے ہے وہ اس سے ہنستا ہے۔

جمائی، معدہ کے بھرے ہونے، حواس کی کدورت، بدن کے بوجھل ہونے، سستی اور نیند کی طرف مائل ہونے سے آتی ہے اس لئے اس کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے "اَلتَّثَاءُبُ مِنَ الشَّیْطٰنِ" کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہے۔ لھذا اسے روکنا چاہیئے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ "چھینک رحمٰن" کی طرف سے ہے لہٰذا اسے نہیں روکنا چاہیئے۔ اور شیطان کے خوش ہونے اور ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کی سستی، کاہلی، بوجھل ہونے اور اعصاب کے ڈھیلے ہونے پر خوش ہوتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں انسان عبادت و ریاضت کرنے سے قاصر ہوتا ہے اور یہی مقصود شیطان ہے اور جمائی کی حالت میں منہ کھلنے سے ایک تو انسانی شکل کا حسین منظر بدل کر بدمنظری بھی پیدا ہو جاتی ہے اور علاوہ ازیں منہ کے

اعصاب پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

جمائی کا علاج

جمائی پر قابو پانے اور اس کے دفع کرنے کے دو طریقے ہیں یا دو قسم کے علاج ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی یا ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ پہلے ہم جسمانی بتاتے ہیں پھر روحانی بتائیں گے۔ جمائی چونکہ شیطان کی طرف سے ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام شیطان سے محفوظ ہیں (شامی) لہٰذا ان کو جمائی نہیں آتی تھی۔ اور ہمیں شیطان کی ہر بات کی مخالفت کرنے کا حکم ہے اس لیے جمائی کو بھی روکنے کا حکم ہے نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی اور اس کو روکنے کے ظاہری یا جسمانی طریقے تین ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہونٹ دانتوں کے درمیان کر کے منہ کو بند کر لیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صرف نیچے کے ہونٹ کو دانتوں کے درمیان کر کے منہ بند کر لیں اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ داہنے ہاتھ کی پشت سے اپنا منہ ڈھانپ لیں یعنی منہ پہ دائیں ہاتھ کی پشت رکھ لیں جبکہ نماز میں قیام کی حالت میں ہوں اور اگر بیٹھے ہوں تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ پہ رکھ لیں کیونکہ حکم اصلی یہ ہے کہ عام حالات میں جمائی کے وقت ہونٹوں کو دانتوں کے درمیان دیکر جمائی کو روکیں اور اگر اسکی قدرت نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ کے آگے کر دیں اور اس سے منہ کو ڈھانپ لیں۔ دائیں سے ایسا نہ کریں، لیکن نماز میں جب قیام کی حالت میں ہوں تو چونکہ اس وقت بایاں ہاتھ نیچے اور دایاں ہاتھ اوپر ہوتا ہے تو بائیں سے یہ کام لینے کی صورت میں دائیں ہاتھ کو اپنی جگہ سے ہلانا پڑے گا تو اس سے دونوں ہاتھوں کا سکون خراب ہوگا جبکہ دائیں سے یہ کام لینے پہ بائیں ہاتھ کو نہیں ہلانا پڑے گا اور نماز ایک ایسی حالت ہے کہ اس میں سکون مطلوبِ شرع ہے حدیث میں ہے "اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃ" (صحیح مسلم) کہ نماز میں سکون پکڑو، لیکن بیٹھنے کی صورت میں چونکہ بائیں ہاتھ

اس کا باطنی یا روحانی علاج یہ ہے ۔ علامہ شامی کہتے ہیں کہ میں نے شرح تحفۃ الملوک میں لکھا دیکھا ہے، کہ امام زاہدی نے فرمایا ہے کہ:

الطریق فی دفع التثاؤب ان یخطر ببالہ ان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام ما تثاءب قط قال القدوری جربناہ مرارا فوجدناہ کذلک قلت وقد جربتہ ایضا فوجدتہ کذلک

(شامی ج ۱ ص ۴۷۸)

جمائی کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں تصوّر کرلیں کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی بھی جمائی نہیں لی (اس سے آپ کی جمائی بھاگ جائے گی) امام قدوری فرماتے ہیں کہ ہم نے اسے بارہا آزمایا تو ہم نے اسے ایسا ہی پایا۔ (میں (شامی) کہتا ہوں کہ میں نے بھی اسے آزمایا تو اسے ایسا ہی پایا۔

الحمد للہ! اس سے ثابت ہوا کہ شیطان خبیث، انبیاء علیہم السلام کے تصور سے بھی بھاگتا ہے جب ان کے تصوّر کے تصرف کا یہ عالم ہے تو خود انکی اپنی خداداد قدرت و تصرف کا کیا عالم ہوگا۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی نبیّنا وعلیھم اجمعین ۔

لوہے سے زیادہ سخت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں "التحیات" یعنی تشہد کے لیے بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانوؤں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ اپنی انگلی کے پیچھے رکھتے (یعنی اشارہ یا انگلی کی طرف دیکھتے) پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ۔ (مشکوٰۃ ص۸۵)

ضرور، یہ اشارہ شیطان پر لوہے سے زیادہ سخت ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان، اس اشارہ سے جو تشہد میں "شہادت کی انگلی" سے کیا جاتا ہے، بہت گھبراتا اور ڈرتا ہے جیسے ایک جانور، لوہے کی ضرب (مار) سے ڈرتا ہے لیکن وہ لوہے سے نہیں ڈرتا کیونکہ لوہا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن اشارہ سے بہت ڈرتا ہے کیونکہ یہ اشارہ انگلی اٹھا کر کیا جاتا ہے ایک ہی انگلی سے اور یہ اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کا عملی اور قولی، دونوں طرح کا، اقرار و اعتراف ہے "لاالٰہ" پر انگلی اٹھائی جاتی ہے، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے "الوہیت (خدا ہونے) کی نفی کرنا ہے۔ اور "الا اللہ" پر انگلی نیچے جھکائی جاتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کی "وَحْدَہٗ" اور "یکتا" ہستی کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں، یہ عظیم الشان شہادت ہے، جو ایک کافر کو مسلمان اور جہنمی کو جنتی کر ڈالتی ہے بشرطیکہ وہ اسے دل کی گہرائی اور اخلاص کی پنہائی کے ساتھ پڑھے، اور یہ شیطان کے لیے ناقابلِ برداشت ضرب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاکیزہ کلمات و اشارات کی تاثیر مادی آلات و اسباب سے کہیں زیادہ ہے

شیطان کی جھپٹ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نمازی کا نماز میں دائیں بائیں دیکھ لینا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا:

ھو اختلاس یختلسہ الشیطان من صلوٰۃ العبد (مشکوٰۃ ص۹۱)   کہ وہ (چیز جس کے بارے میں تم نے پوچھا) جھپٹ مارنا ہے اسے شیطان بندے کی نماز سے جھپٹ مارتا ہے۔

نماز ایک اہم عبادت ہے، یوں تو شیطان ہر عبادت کا دشمن ہے اور ہر اچھے کام سے بندے کو روکتا ہے لیکن نماز اور انفاق (خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے) کا تو سب سے بڑھکر دشمن ہے اس لیے کہ انسان دو باتوں سے "انسان کامل" بنتا ہے ایک "اصلاحِ نفس" سے جس کا ذریعہ نماز ہے اور دوسری "حُبِّ خداوندی" سے جو اس کی راہ میں مالِ عزیز خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ انسان نہ نماز پڑھے اور نہ ہی اسکی راہ میں مال خرچ کرے تاکہ وہ درجۂ کمال و مرتبہ عرفان کو نہ پا سکے، چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا   ہر چہ داری صرف کن در راہ او

یعنی تم نیکی (مرتبۂ عرفان) کو ہرگز نہیں حاصل کر سکتے یہاں تک کہ جو کچھ مال رکھتے ہو اس کی راہ میں خرچ کر دو۔

لہٰذا جونہی بندہ نماز میں مصروف ہوا شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات و وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان نماز کی حالت میں ادھر ادھر نظریں پلٹنا شروع کر دیتا ہے، اگرچہ صرف نظر پھیرنے سے کچھ نہیں ہوتا تاہم اس سے دلی توجہ جمع نہیں ہوتی بلکہ منتشر ہو جاتی ہے اور اگر گردن پھیر کر دیکھیں گے تو نماز مکروہ ہوگی اور ثواب میں کمی آجائے گی اور اگر سینہ ہی کعبہ سے پھر گیا تو سرے سے نماز ہی ٹوٹ جائے گی۔ اور وہ حدیث صحیح و معتبر نہیں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشۂ چشم سے دائیں بائیں کے مقتدیوں کو دیکھتے تھے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۳)

شیطان کو بھگانے والا عمل

اذان شیطان کو بھگانے والا عمل ہے

حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور بھاگتے ہوئے اسکی ہوا خارج ہو جاتی ہے جسکی آواز بھی ہوتی ہے یعنی گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے "حتّٰی لَا یَسْمَعَ التَّاذِیْنَ" تاکہ اذان کی آواز نہ سنے پس جب اذان کہہ دی جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے یہاں تک کہ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے پس جب تکبیر ہو چکتی ہے تو واپس آجاتا ہے یہاں تک کہ "یَخْطُرُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِہٖ" انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے یاد کر اس طرح کی بات، یاد کر اس طرح کی بات، ان باتوں کو یاد دلاتا ہے جنہیں وہ یاد نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک انسان (نمازی) کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ "لَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی" اسے معلوم نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں"۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شیطان اذان و اقامت سے بھاگ جاتا ہے۔ اسی فلسفہ کے تحت بعض فقہاء اہل سنت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر پہ اذان دینے کو مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ میت کا وقتِ امتحان ہے کہیں اسے شیطان بہکا نہ دے اذان سے نہ صرف شیطان بھاگ جائے گا بلکہ اس پہ سوالوں کا جواب دینا بھی آسان ہوگا۔ اسی طرح بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسکو چھوتا ہے حدیث میں ہے کہ اسی وجہ سے بچہ پیدا ہونے کے بعد روتا ہے تو شریعت نے بچے کے کان میں اذان دینے کا حکم دیا تاکہ شیطان بھاگ جائے اور اس کا اثر بھی زائل ہو۔ اسی طرح غمگین کے کان میں اذان کہی جائے تو اس کا غم دور ہو جاتا ہے اور جس پہ بے ہوشی

طاری ہو اور اس کے کان میں بھی جو سرکش ہو خواہ آدمی ہو یا جانور اور اس مکان میں بھی اذان دی جائے جہاں جنات وشیاطین کا ڈیرہ ہو اور وہ مکان والوں کو تنگ کرتے ہوں اور راستہ بھولنے والا بھی اذان کہے تو راستہ مل جائیگا اور جہاں آگ لگی ہو وہاں اذان دی جائے تو انشاء اللہ آگ بجھ جائیگی۔ الغرض اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔

(شامی ج ۱ ص ۳۸۵)

شیطان کی وادی

امام مالک رح اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

" ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آخری حصہ میں مکہ مکرمہ کے راستے میں قیام فرمایا اور آپؐ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بات کی ذمہ داری سونپی کہ وہ انہیں صبح کی نماز کے لیے بیدار کریں گے۔ تو حضرت بلال سو گئے جب کہ وہ سب سو چکے تھے یہاں تک لوگ بیدار ہوئے جبکہ سورج ان پر طلوع ہو چکا تھا تو لوگ گھبرا اٹھے پس انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا حکم دیا تاکہ اس وادی سے نکل جائیں اور فرمایا " هٰذَا وَادٍ بِهِ شَيْطَانٌ " یہ ایک ایسی وادی ہے جس میں شیطان ہے تو لوگ سوار ہو گئے یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سواریوں سے اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور بلال کو اذان دینے اور تکبیر کہنے کا فرمایا پس آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر فارغ ہو گئے اور لوگوں کی گھبراہٹ محسوس کی تو فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ أَرْوَاحَنَا وَلَوْ شَاءَ لَرَدَّهَا إِلَيْنَا فِي حِينٍ غَيْرِ هٰذَا فَإِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ

اے لوگو! بے شک اللہ تعالےٰ نے ہماری روحیں اپنے قبضے میں کر رکھی تھیں اگر وہ چاہتا تو انہیں اس وقت کے علاوہ کسی اور

عَنِ الصَّلٰوۃِ اَوْ نَسِیَھَا ثُمَّ فَزِعَ اِلَیْھَا فَلْیُصَلِّھَا کَمَا کَانَ یُصَلِّیْھَا فِیْ وَقْتِھَا۔ (مشکوٰۃ)

وقت میں لوٹا دیتا، تو جب تم میں کسی کی نماز نیند کی وجہ سے قضا ہو جائے یا اسے نماز بھول جائے تو پھر وہ نماز کیطرف پناہ لے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز کو ویسے ہی ادا کرے جیسے وہ اسے اس کے وقت میں ادا کرتا تھا۔"

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی تو فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے پس شیطان نے اسے لٹا دیا پھر اسے تھپکیاں دے دے کر سلاتا رہا جیسے بچے کو تھپکیاں دی جاتی ہیں یہاں تک کہ بلال سو گئے۔ پھر آپ نے حضرت بلالؓ کو بلایا تو بلالؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ویسے ہی بتایا جیسے حضور نے حضرت ابو بکرؓ کو بتایا تھا تو ابو بکرؓ بے ساختہ بول اٹھے "اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ (مشکوٰۃ) صـ ۶۷

حدیثِ مذکورہ سے ثابت ہونیوالے احکام و مسائل

۱۔ ایک گروہ کا اپنے میں سے کسی ایک کو نماز کے لیے بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپنا اور خصوصاً اسکی جو ان میں سے مؤذن ہو یعنی اذان دیتا ہو۔

۲۔ مؤذن اگر کبھی سو جائے اور اذان نہ دے سکے تو اس کا مؤاخذہ نہ ہونا۔

۳۔ پورا اگر وہ ہی سوتا رہ جائے اور سب کی نماز قضا ہو جائے تو اللہ تعالےٰ کے نزدیک ان پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ تین شخصوں سے شریعت کا قلم اٹھا لیا گیا ایک بچے سے جب تک بالغ نہ ہو دوسرے پاگل سے جب تک عقلمند نہ ہو تیسرے سونے والے سے جب تک بیدار نہ ہو۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وادی کے بارے میں فرمانا کہ اس میں شیطان ہے

اس بات کا سبق ہے کہ دینی نقصان کی نسبت رحمٰن کی طرف کرنے کی بجائے شیطان کی طرف کی جائے کیونکہ شیطان انسان کے دینی و اخروی نقصان کرانے کے درپے رہتا ہے۔

٦- سونے والوں کی روحیں ایک طرح سے قبض ہو جاتی ہیں اسی لیے حدیث میں نیند کو موت کی بہن فرمایا گیا ہے لہٰذا بیدار ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیئے اور نماز میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیئے۔

٧- خدانخواستہ اگر نیند کیوجہ سے نماز قضاء ہو جائے تو بیدار ہونے پر بلا تاخیر اسے ادا کرنا چاہیئے یہ ضروری ہے۔

٨- اگر دو یا دو سے زیادہ افراد ہوں تو فوت شدہ نماز کو اذان و اقامت کے ساتھ با جماعت ادا کرنا چاہیئے۔

٩- اگر محلے میں جہاں قرب جوار میں اذان ہوتی ہے تو وہاں دوبارہ اذان کہنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث مذکور کے الفاظ "فَلْيُصَلِّهَا" کے فرمانِ ذی شان سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔

ابلیس کا سجدہ! شیطان کو قرآنِ کریم میں ابلیس کہا گیا اور ابلیس ابلاس، سے ماخوذ ہے جس کے معنی نا امید ہونے کے ہیں۔ اسے ابلیس اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اور ابلیس (شیطان) کو آزمانے کے لیے، حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تاکہ اس طریقہ سے اس بات کا اظہار ہو جائے جو اسے ازل سے معلوم تھی یعنی اس نے چاہا کہ اس کے علم ازلی کا واقعاتی اور مشاہداتی طریقہ سے ظہور ہو کیونکہ وہ ازل سے جانتا تھا کہ فرشتے اطاعت کریں گے اور ابلیس اطاعت نہیں کریگا بلکہ اس کی جگہ تکبر و انکار کرے گا اور یہ کہ فرشتے اس کی اطاعت کر کے اس کے اولیاء و محبوب بندے ہوں گے اور شیطان و ابلیس نافرمانی اور غرور کر کے اس کا دشمن ہوگا لہٰذا اس نے اپنے علمِ ازلی کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں حکم دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں تاکہ اس سے اس کے فرمانبردار اور نافرمان بندوں کے درمیان تمیز و تفریق اور اس کے علمِ ازلی کا ظہور و عیانی ہو جائے اور یہ سجدہ جو حضرت آدم کو کرایا گیا سجدۂ تعظیم تھا سجدۂ عبادت جسے سجدۂ شرعیہ بھی کہتے ہیں، نہ تھا نیز واضح ہو کہ یہ سجدہ "وَضْعُ الْجَبْهَةِ عَلَى الْاَرْضِ" (زمین پر پیشانی رکھنے) کی صورت میں تھا اور سجدۂ تعظیم پہلی شریعتوں میں جائز ہوا کرتا تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو سجدہ کیا اور اس قصہ میں قرآن کریم کے الفاظ میں "وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا" اور وہ یوسف علیہ السلام کے لیے سجدہ میں گر گئے یہ "گر گئے یا گر پڑے" کے الفاظ اس حقیقت کو کھلے طور پر واضح کر رہے ہیں کہ یہ سجدہ زمین پر پیشانی رکھ دینے کی صورت میں تھا اور سجدۂ تعظیم پہلے جائز تھا، ابتداء میں بعض صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آئندہ نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ایک اور حدیث

میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے انکو منع فرمایا اور فرمایا مخلوق کو جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے اور اگر کسی کو (اللہ کے سوا) کسی اور کیلئے سجدہ کی اجازت دی جاتی تو عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرتی اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ اس کے خاوند کا اس پر بڑا حق ہے۔

کیا شیطان پہلے سے کافر تھا

شیطان کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا "وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ" (البقرہ) اس کا ایک معنیٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ ابلیس کافروں سے تھا۔ اور دوسرا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ ابلیس کافر ہو گیا یعنی پہلے نہ تھا بعد میں ہو گیا، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے یہی فرمایا "اور وہ کافر ہو گیا" (کمافی کنز الایمان للامام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان)

علامہ امام محی الدین شیخ زادہ علیہ الرحمۃ المتوفی ۹۵۱ھ حاشیہ علی البیضاوی میں لکھتے ہیں کہ بلاشبہ:

ان المختار عند عامة اهل السنة وجمهور المحققين ان ابليس لم يكن كافرا من اول حدوث الامر (الى ان قال) بل انه كان مومنا ثم صار كافرا۔

عام اہل سنت اور جمہور محققین کے نزدیک یہ بات ہے کہ ابلیس ابتدائے پیدائش سے کافر نہ تھا بلکہ وہ مومن تھا پھر کافر ہو گیا۔

(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ا ص ۲۵۸)

شیخ زادہ علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے یہ حقیقت ہو گئی کہ شیطان جسے قرآن میں ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا شروع سے کافر نہ تھا بلکہ مؤمن تھا اور بعد میں کافر ہوا۔ اس کے بعد آگے موصوف مزید لکھتے ہیں:

" بلکہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کی بادشاہی دی اور آسمان کی بادشاہی دی اور جنت کا خزانہ بخشا۔ پس وہ کبھی تو زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اور کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں اور مروی ہے کہ اس نے اسی ہزار سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پس کیسے کہا جاتا ہے کہ وہ شروع وجود سے لیکر ابد تک کافر تھا بلکہ وہ مومن تھا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم نہ ماننے اور اس کا بُرا ماننے سے کافر ہو گیا اور بے شک یہ ایک صحیح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننا ایمان اور اس پر عمل کرنا فرمانبرداری اور اسے چھوڑنا معصیت وگناہ اور اس کا بُرا ماننا اور ٹھکرا دینا کفر ہے (الی ان قال) بلکہ شیطان نے صرف حکم الٰہی کو ٹھکرا دیا اور اس کا بُرا منایا اس حرکت میں اپنے آپ کو حق پر بھی قرار دیا اور بولا " اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ " کہ میں اس آدم سے بہتر ہوں جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی کہ حضرت آدم علیہ السّلام تمام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السّلام کو سجدہ کریں پس اگر حضرت آدم علیہ السّلام فرشتوں سے افضل نہ ہوتے تو انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیا جاتا کیونکہ اعلیٰ مرتبے والے کو حکم نہیں دیا جا سکتا کہ وہ ادنیٰ مرتبے والے کو سجدہ کرے علاوہ ازیں حضرت آدم فرشتوں سے بڑھ کر تھے کیونکہ انہوں نے وہ تمام باتیں بتا دیں جو فرشتے نہ بتا سکے اور زیادہ علم والا کم علم والے سے افضل واعلیٰ ہوتا ہے اور حضرت آدم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتا کر ان کے معلم واستاذ ٹھہرے اور فرشتے متعلم وشاگرد۔ اور ظاہر ہے کہ معلم کا مرتبہ متعلم سے بلند ہوتا ہے لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہوئے اور اس آیت سے، جس میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں، ثابت ہوا کہ ابلیس (شیطان) فرشتوں سے تھا۔ لیکن جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (جس کا اسے وقتی طور پر آزمائش کے لیے اختیار دیا گیا تھا۔ اور طاقت وقوت کے ذریعے اسے سجدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا اور اس پر لعنت فرمائی اور اسکی شکل وصورت بھی مسخ فرما دی (بدل ڈالی)

تب وہ شیطان مردود بن گیا۔ اور قرآن کریم میں ایک جگہ جو فرمایا گیا کہ "کَانَ مِنَ الجِنِّ" وہ جن تھا، اس کا یہ ترجمہ ہوگا (صَارَ مِنَ الجِنِّ) کہ وہ جنوں سے ہوگیا۔ جیساکہ "وَکَانَ مِنَ الْکَافِرِیْنَ" کا ترجمہ ہے کہ وہ کافروں سے ہوگیا۔

ایک اعتراض

رہا یہ سوال کہ ابلیس فرشتوں سے کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ فرشتوں کی کوئی اولاد اور نسل نہیں جبکہ اسکی اولاد و نسل ہے اور اولاد مادہ سے پیدا ہوتی ہے اور فرشتوں میں کوئی مادہ نہیں قرآن کریم میں ہے کہ:

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَةَ الَّذِیْنَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا (الزخرف ۱۹)

اور انہوں (مشرکوں) نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں ٹھیرایا۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس خیال کی مذمت فرمائی کہ فرشتے مادہ یا مؤنث ہیں۔ جب فرشتے مادہ و مؤنث نہ ٹھیرے اور شیطان فرشتوں سے تھا تو وہ مؤنث نہ ہوا، ایسی صورت میں اسکی اولاد اور نسل آگے کیسے بنی؟ جبکہ قرآن میں یہ بھی ہے کہ شیطان کی اولاد ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ۔ (الکهف : ۵۰)

بھلا کیا تم اسے اور اسکی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟

تو وہ فرشتہ کیسے ہوا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان نے جب نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت ملکیہ (فرشتوں والی صورت) کو مسخ کردیا اور توالد و تناسل والی صورت سے بدل دیا یعنی ایک تو اس کی شکل و صورت کو بدلا اور دوسرے اس میں وہ خاصیت رکھدی جو جنوں میں ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ"

ان للملائکۃ ضربا یتوالدون یقال لھم الجن ومنھم ابلیس۔ (بیضاوی)

بلاشبہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو بچے جنتے ہیں انکو جن کہتے ہیں۔ اور ابلیس ان میں سے ہے۔

اس جواب کی روشنی میں سرے سے اعتراض ہی پیدا نہ ہوگا۔

اعتراض و جواب

رہا یہ سوال کہ اللہ تعالےٰ کا دستور چلا آرہا ہے کہ اس نے جن قوموں یا جن لوگوں کی صورتیں مسخ کر دیں وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہے اور نہ ہی آگے ان کی اولاد و نسل چلی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس کے ساتھ بھی ایسا ہونا تھا کہ صورت و شکل کے بدل جانے کے بعد حسبِ دستورِ خداوندی یہ تین دن کے اندر ہلاک کر دیا جاتا لیکن اس نے اللہ تعالےٰ سے مہلت مانگ لی اور قیامت تک زندہ رکھے جانے کا وعدہ لے لیا اس لیے یہ ہلاکت سے بچ گیا اور سورۂ کہف میں جو فرمایا گیا" کَانَ مِنَ الْجِنِّ "کہ ابلیس جنوں میں سے ہوگیا اس کا یہی مفہوم ہے کہ پہلے تو فرشتہ تھا لیکن نافرمانی کا مرتکب ہوا تو اس کی شکل و صورت بدل دی گئی۔ فرشتے سے جن بنا دیا گیا اور توالد و تناسل وغیرہ ایسی جنوں والی صفات بھی اس میں ودیعت رکھدی گئیں اور قرآن کریم میں جہاں آتا ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، کہ اس نے انکار اور تکبر کیا" یہاں اور ایسے دیگر مواقع پر ابلیس کا تذکرہ فرشتوں میں گیا ہے پھر حرفِ استثناء (الا) کے ساتھ اسے مستثنیٰ فرمایا گیا اور استثناء کا قاعدہ یہ ہے کہ اسے اپنی اصل پر ہونا چاہئیے ماقبل (مستثنیٰ منہ) کی جنس سے ہو اس قاعدہ کی رو سے ابلیس (شیطان)

فرشتوں سے قرار پاتا ہے چنانچہ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

"ان ابلیس کان من الملائکة والا لم یتناوله امرهم ولم یتناوله امرهم ولم یصح استثناءه منهم الخ"

(تفسیر بیضاوی)

یہ آیت (فسجدوا الا ابلیس) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیشک ابلیس فرشتوں میں سے تھا ورنہ ان کا امر اسے شامل نہ ہوگا اور نہ ہی ان میں سے اسی کا استثنائ صحیح ہوگا۔

اسکی شرح میں شیخ زادہ فرماتے ہیں

یعنی انه لو لم یکن من الملائکة لما صح استثناءه منهم لان الاستثناء انما یتعلق بما یکون من جنس المستثنی منه فیکون استثناءه من الملائکة مستلزما لکونه من الملائکة والاستثناء المنقطع وان کان شائعا مشهورا فی کلام العرب الا انه خلاف الاصل فلا یقع فی الکلام الفصیح

(شیخ زادہ ج ۱ ص ۲۵۹)

یعنی اگر ابلیس فرشتوں میں سے نہ ہوتا تو اس کا فرشتوں سے استثناء درست نہ ہوگا کیونکہ استثناء تو اس سے ہی متعلق ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے پس ابلیس (شیطان) کا فرشتوں سے استثناء اس بات کو لازم کرتا ہے وہ فرشتوں سے ہو استثناء منقطع اگرچہ کلام عرب میں مشہور و رائج ہے لیکن یہ اصل (قاعدہ) کے خلاف ہے پس یہ خدا تعالیٰ کے کلام فصیح میں واقع نہیں ہو سکتا۔

تعوّذ کے فقہی احکام

کیا تعوّذ قراءت سے پہلے واجب ہے

ظاہر آیت کو دیکھتے ہوئے امام ابراہیم و امام ابن سیرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کے بعد اعوذ باللہ الخ پڑھے اور یہ کہ عبادت کے بعد ہی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اور شیطان سے پناہ مانگنا ایک دعا ہے جو ہمیشہ مانگی جاتی ہے۔ لیکن جو حدیث صحیح میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت قرآن سے پہلے ہی تعوذ فرماتے (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے) تھے اور سلف و خلف یعنی متقدمین و متاخرین کا اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءتِ قرآن سے پہلے ہی تعوذ فرماتے، پھر بعض کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ واجب ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک سنت (مستحب) ہے اور اس کے مستحب ہونے اور واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے نصف یا اس سے کچھ پہلے یا بعد بیدار ہوئے تو اٹھ کر بیٹھ گئے اپنے ہاتھ مبارک سے چہرۂ اقدس سے نیند پونچھنے لگے پھر آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ سورۂ آلِ عمران کے آخر کی دس آیتیں پڑھ کر ختم کیں پھر پانی کے مشکیزہ کی طرف جو معلق تھا، کھڑے ہوئے پھر اچھی طرح وضو فرمایا الخ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۰) اسی طرح کی حدیثیں صحیح مسلم میں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی متعدد آیات تلاوت فرمائیں لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس سے پہلے تعوذ کیا (اعوذ باللہ پڑھا) ہو اسی طرح بسم اللہ پڑھنا بھی ہر موقع پر ثابت نہیں لہٰذا اسے واجب یا ضروری قرار نہیں دیا جا سکتا۔

نماز میں تعوّذ کا حکم

نماز میں قراءت سے پہلے تعوّذ میں فقہا کا اختلاف ہے امام اعظم ابوحنیفہ و امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صرف پہلی رکعت میں پڑھیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں پڑھنا چاہیئے امام حسن و حضرت عطاء و امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ تعوّذ ہر رکعت میں مستحب ہے۔ ان ائمہ کے دلائل انکی کتابوں میں مذکور ہیں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور ان کے پیروکار حنفیوں کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تعوّذ فرماتے (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتے) تھے۔ اگر کوئی نماز میں ،تعوذ بھول گیا اور سورۂ فاتحہ شروع کر دی تو تعوذ رہ گئی اب اس کے پڑھنے کا موقع ہی نہیں رہا۔ اس کے لیے سورہ فاتحہ کو نہیں چھوڑنا چاہیئے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی تکبیر تحرمیہ کے بعد ثناؤ تعوذ و تسمیہ میں سے کوئی ایک یا دو یا تینوں کا پڑھنا بھول گیا اور سورۂ فاتحہ شروع کر دی تو اس دوران یاد آگیا کہ یہ چیزیں بھول گئیں تو انہیں رہنے ہی دیں سورۂ فاتحہ کو مکمل کریں اور اس کے بعد اگلی سورۃ ملائیں۔ اس صورت میں سجدہ سہو بھی نہیں ہوگا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر طالب علم اپنے استاذِ محترم (جس سے دینی تعلیم پا رہا ہے) کے سامنے قراءت کرے تو ازراہِ ادب تعوذ نہ کرے یعنی اس کے لیے تعوّذ کرنا سنّت نہیں، ہاں جائز ہے اور جہاں جہاں بھی شیطان کے وسوسہ کا اندیشہ ہو وہاں اس کا پڑھنا مسنون ہے اور جب بیت الخلاء میں جائیں اس وقت بھی تعوذ کرنا چاہیئے لیکن ان الفاظ کے ساتھ:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے۔"

علامہ شامی نے ذخیرہ کی بحث کا خلاصہ لکھتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شخص بسم اللہ اور الحمد للہ، ایسی قرآن میں سے کوئی چیز پڑھے تو اگر مقصد قرأت و تلاوت ہو تو اس سے

پہلے تعوذ کرے اور اگر مقصد تلاوت وقراءت نہ ہو جیسے طالب علم استاذ کی خدمت اپنے درس وعلم کا آغاز کرنے کو بسم اللہ پڑھتا ہے تو وہ تعوذ نہ کرے اور اسی طرح الحمد للہ سے شکر کی نیت ہے تلاوت قرآن کی نہیں تو تعوّذ کی حاجت نہیں اور اگر کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس میں شیطانی دخل کا امکان واندیشہ ہے تو وہاں بھی تعوذ کرنا چاہیئے۔

(فتاویٰ شامی ج ا ص۴۸۹)

جو شخص امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شامل نہیں ہو سکا وہ جب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی اس رکعت کو الگ پڑھیگا تو وہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کے بعد تعوّذ بھی کرے گا اور جو شروع سے پہلی رکعت میں امام کے ساتھ ہے وہ صرف ثناء تک محدود رہے گا اور امام نماز عید میں پہلے تکبیریں کہے گا پھر تعوّذ کرے گا کیونکہ تعوّذ کا تعلق قراءۃ کے ساتھ ہے اور قراءۃ تکبیروں کے بعد ہی ہوتی ہے (درمختار مع شامی ص۴۸۹، ۴۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعوذ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلا میں داخل ہوتے تو یوں فرماتے "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ" (صحیح البخاری ج ا ص۲۶)

صحیح بخاری ومسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں پہلے بسم اللہ کا ذکر ہے کما ذکرہ النووی فی الاذکار:

" بِاسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (کتاب الاذکار ص۲۰) اللہ کے نام سے شروع، اے اللہ میں تیری پناہ، لگتا ہوں خبیث جنوں اور جنیوں سے

اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

سِتْرُ مَا بَيْنَ اَعْيُنِ الْجِنِّ وَعَوْرَاتِ جنوّں کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرمگاہوں

بَنِیْ اٰدَمَ اِذَا دَخَلَ الْكَنِيْفَ اَنْ يَّقُوْلَ بِسْمِ اللّٰهِ ، (ترمذی)	کے درمیان پردہ ، جب وہ (آدمی) بیت الخلا میں داخل ہو ، یہ ہے کہ کہے "بسم اللہ"

یعنی جب انسان بیت الخلا میں داخل ہو تو اس سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینا چاہئے اس کا بسم اللہ پڑھنا اس کے لیے ستر ہو جائے گا ، جنات و شیاطین اسکی شرمگاہ کو نہیں دیکھ سکیں گے امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ کہے پھر کہے " اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (کتاب الاذکار ص۲۸)

بیت الخلا ، تخلیہ کی جگہ یا تخلیہ کا گھر یعنی علیحدگی کی جگہ اس میں طہارت خانہ ، غسل خانہ ، رفع حاجت کی جگہ سب آجاتے ہیں ۔ جہاں انسان کو اپنی حاجت بشری کے لیے ستر کھولنا پڑے وہ بیت الخلا کے مفہوم میں آجاتا ہے وہاں تسمیہ و تعوذ پڑھنا چاہیئے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسے مواقع پر تعوذ فرمایا حالانکہ آپ معصوم تھے ، شیطان کسی طرح بھی آپ کو غلط بات پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا پھر بھی آپ کا تعوذ فرمانا حدیثوں سے ثابت ہے اور یہ در اصل امت کی تعلیم کیلئے تھا ، چنانچہ امام ابن علان علیہ الرحمۃ شرح دجیز علی الاذکار میں فرماتے ہیں ۔

ومعلوم ان هذه الاستعاذة منه تواضع وتعليم لامته كما تقرر والا فهو محفوظ من الجن والانس كما يدل عليه خبر " الا ان الله اعانني عليه فاسلم " الخ (شرح وجيز ص۲۷ طبع مصر)	اور یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعوذ فرمانا آپ کی طرف سے تواضع اور آپ کی امت کی تعلیم کے لیے ہے جیسا کہ ثابت ہو چکا ورنہ آپ تو جنوں اور انسانوں کے شر سے محفوظ ہیں جیسا کہ اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے " خبردار بلاشبہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان پر مدد دی تو وہ مسلمان ہو گیا یا میں اس سے سلامت رہتا ہوں

اور وہ مجھے بھلائی کے سوائے اور کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔

ایسے مقامات و مواضع جہاں وسوسے نہایت ہی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

اب ہم کچھ ایسے مقامات و مواضع کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں وسوسے نہایت ہی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں لہٰذا وہاں دل کو وسوسوں اور لایعنی تخیلات سے محفوظ رکھنا ازحد ضروری ہے۔

۱۔ ان مقامات و مواضع میں سے ایک سونا اور سونے سے بیدار ہونے کا موقع ہے جب آنکھ بند ہو اور جب آنکھ کھلے اور بیدار ہوں تو اسوقت دل میں دنیائے دون (ذلیل دنیا اور کارہائے دنیا) کا خیال نہ لائیں اور نہ ہی کسی دنیادار کا اور نہ ہی اس سے ملنے کا، اور دنیا کی کسی اور چیز کا کیونکہ یہ بھی شیطانی وسوسوں میں سے ایک وسوسہ ہے کہ یادالٰہی کی جگہ غیر کی یاد آئے اور توجہ الی اللہ کی بجائے توجہ الی الغیر ہو جائے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ نیند کرنا، اس عالم وجہاں سے منقطع ہونا اور کٹ جانا ہے تو ایسی صورت میں اسی کی یاد کو سینے سے لگائے ہوئے اس جہانِ بیداری سے الگ ہوں کہ اگر خدانخواستہ اسی حالت میں موت آجائے تو اسی کی یاد پر ہی آئے اسی طرح نیند ایک طرح سے موت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے " اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ کہ نیند، موت کی بہن (مانند) ہے لہٰذا نیند کے بعد اٹھنا ایک نئی زندگی پانا ہے اور نئی زندگی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا اسی نئی زندگی کے حصول پر بھی اسی محسن کی ہی یاد آنی چاہیئے جس نے نعمتِ زندگی بخشی اور ایسا احسانِ عظیم کیا، بلکہ یاد کے ساتھ ساتھ اسکی شکرگذاری کے لب کشائی کرنا ہی بندگی کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہونے پر ایسے کلماتِ قدسیہ کو زبانِ اقدس پر لاکر خدائے ذوالجلال کی شکرگذاری بجا لاتے۔

امام ابوبکر بن السنی علیہ الرحمۃ متوفی ۳۶۴ھ اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" میں اپنی سند

کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت لاتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو آپ فرماتے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْر۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص۲۲)

اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں موت دینے (سلانے) کے بعد نئی زندگی بخشی اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے یا نیند کا ارادہ فرماتے تو یہ پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَلَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ۔

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کی بادشاہی اور اسکی تعریف اور وہ ہر شئی پر قادر ہے اور تمام تعریفیں اللہ کیلئے اور اللہ کی پاکی اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور طاقت وقوت اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں ہے اے اللہ مجھے بخش دے۔

اور اسی دعا کے بارے میں امام ابوبکر ابن السنی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو یہ دعا نیند سے بیدار ہو کر پڑھے گا اس کے گناہ بخشے جائینگے اگر دریا کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص۱۲) الغرض ان مقامات و مواضع میں سے ایک سونا اور دوسرا سونے کے بعد بیدار ہونا جہاں یادِ الٰہی کے علاوہ کوئی دنیا کی نوعیت کا خیال بھی وسوسہ ہے اس سے پرہیز ترقی روح وایمان کا موجب ہے۔

ان مواضع میں سے تیسرا مقام تلاوتِ کلامِ الٰہی ہے کہ وہ وقت تلاوت کرنیوالے کے خدا تعالےٰ سے مناجات کرنے اور ہمکلام ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت دل میں خالص یادِ الٰہی ہو اور اس کے کلام کے معانی ومطالب کے سوا کسی اور غیر متعلق

چیز کی طرف توجہ وتخیل کرنا وسوسہ شیطانی ہے۔

اسی طرح ان مواضع میں سے چوتھا موضع ومقام وضو بھی ہے کہ اسوقت بارگاہِ خدائے قدوس کی طرف توجہ مبذول ہونا چاہیئے، دنیا کی نوعیت کے خیال وگفتگو تک سے پرہیز کرنی چاہیئے کیونکہ ایسی حالت میں دنیا کے خیالات وافکار کا آنا وسوسہ شیطانی ہے

ان مقامات ومواضع میں سے پانچواں مقام نماز کی حالت ہے اسمیں بھی جسم کیساتھ دل ودماغ بھی خدا تعالیٰ کے حضور حاضر وموجود ہوں ایسی حالت میں اِدھر اُدھر کے تخیلات وسوسہ شیطانی ہیں جن سے پرہیز ضروری ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے احباب شکایت کرتے ہیں کہ نماز کی حالت میں دل میں اِدھر اُدھر کے خیالات ووسوسے تنگ کرتے ہیں اس سلسلے میں گذارش یہ ہے کہ کوشش کریں کہ اِدھر اُدھر کے خیالات ووسوسے نہ آنے پائیں اور وسوسوں کے دفع کرنے کا بہتر طریقہ نماز کے الفاظ کے معنوں کی طرف توجہ رکھنا ہے، اس طرح نہ صرف وسوسوں کا دفاع وخاتمہ ہوجائیگا بلکہ نماز میں خوب دل لگے گا۔ حمد وثناء، تسبیحات وتکبرات میں ان کے معانی کا خیال اور التحیات "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب وعرض سلام ہے اس میں یہ یقین ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نورِ نبوت کے اعتبار سے حاضر وموجود ہیں اور میرا سلام سن رہے ہیں اور جواب بھی عنایت فرما رہے ہیں امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور امام تاج الدین سبکی نے شفاء السقام میں اور امام ابن عطاء اللہ سکندری نے تہذیب النفوس میں اور امام عبدالوہاب شعرانی نے المیزان الکبریٰ میں اسی کی تلقین کی ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک شیطان میرے اور میری نماز ومیری قراءت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور وہ میری نماز وقراءۃ کو مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے اور شک ڈلوا دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ذالکَ شَیطَانٌ یقال لہ خنزبٌ فاذا اَحْسَسْتَہ، فَتَعَوَّذْ باللہ مِنْہ وَاتْفُلْ عَلیٰ یَسَارِكَ ثَلاثًا۔	یہ شیطان ہے اسے خنزب کہا جاتا ہے پس جب تم اس (وسوسہ) کو محسوس کرو تو اس سے اللہ کی پناہ مانگو اور اپنے بائیں طرف تین بار تھو تھو کرو۔
ففعلت ذلك فاذهبه اللہ عنی (مشکوٰۃ: ص۱۹)	حضرت عثمان بن ابی العاص فرماتے ہیں میں نے یہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے وسوسہ کو مجھ سے دور کر دیا۔

خنزب (خا کی زیر، نون کی جزم، زا کی زیر و زبر دونوں کے ساتھ) شیطان کا لقب ہے جس کے معنی فسق و فجور کی جرأت رکھنے والا یعنی پرلے درجے کا بے حیا و بد معاش۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ "مجھے نماز میں بہت ہی ادھر ادھر کے خیالات و توہمات آتے ہیں، آپ نے فرمایا، تم نماز میں مصروف رہا کرو اور ان خیالات و توہمات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا کرو۔ یہ خیالات تم سے ہرگز نہیں جائیں گے حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو کر یہ کہتے ہوئے پھرو کہ میں نے اپنی نماز کو پورا نہیں کیا۔" (مشکوٰۃ ص۱۹)

یعنی تم شیطان کی آرزو کے برعکس خود ہی یہ اعتراف کرتے ہوئے لوٹو کہ میں نے اپنی نماز پوری نہیں کی، میری نماز میں کوتاہی رہی ہے اے شیطان تو دفع ہو جا میرا رب کریم ہے وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی نماز کو قبول کرلے گا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی لمعات اور ملا علی قاری کی مرقاۃ سے ملتقط ہے "ہذا اصل عظیم لدفع الوسواس" کہ یہ وسوسۂ شیطانی کے دور کرنے کا بہترین بنیادی طریقہ و اساسی قاعدہ ہے (منقول من حاشیہ المشکوٰۃ ص۱۹)

چھٹا مقام علماء اہل سنت کی خدمت میں حاضری کے وقت دل کو وسوسوں اور لایعنی خیالات سے محفوظ رکھنا ضروری ہے کہ در اصل یہی اولیاء اللہ ہیں امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر علماء اہل سنت اولیاء اللہ نہیں ہیں تو روئے زمین پہ کوئی بھی ولی اللہ نہیں ہے۔

یہی اصحاب طریقت ہیں۔ ان کی حاضری میں وقت دل کو ہر طرح کے وسوسوں سے پاک کرکے بیٹھنا چاہیئے کیونکہ وسوسے (پراگندہ خیالات ولایعنی افکار) ان کے فیضان سے محرومی کا سبب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

در حضور حضرت صاحب دلاں　　　دل نگہدارید اے بیحاصلاں

یعنی اے علم وعرفان کی دولت سے تہی دست لوگو! صاحب دل حضرات (جن کے دل علم وعرفان کے نور سے منور ہیں) کی حاضری میں اپنے دل کی وسوسوں سے حفاظت کیا کرو۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ مدینہ منورہ کے مشہور ترین سات فقہاء کرام میں سے ایک ہیں آپ نے صحابہ وغیرہم سے بہت سی احادیث روایت کیں، آپ مدینہ منورہ میں اپنے زمانہ میں سب سے افضل واعلیٰ واکمل شخصیت تھے۔ آپ کے زمانہ میں کوئی بھی آپ سے بڑھ کر علم وفضل کا مالک نہ تھا۔ آپ اکابرین تابعین میں سے ہیں حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں ہم نے مدینہ میں کوئی ایسا شخص نہ پایا جسکو ہم آپ سے افضل قرار دیتے۔ آپ کا وصال ۱۰۱ھ میں ستر سال کی عمر میں ہوا (رجال مشکوٰۃ ص ۶۱۴ والبدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۲۵۰)

مطلب یہ کہ حضرات کاملین بعض اوقات دوسروں کے دلوں کے خطرات وخیالات سے مطلع بھی ہوجاتے ہیں لہٰذا ان کی خدمت میں حاضری کے وقت اپنے دل کو خیالات فاسدہ سے پاک رکھیں اگرچہ وہ ستاری فرماتے ہوئے ایسا کرنے والے کو تنبیہ نہ فرمائیں تاہم وہ ان کے فیضان سے محروم ہوجائے گا۔ پھر فرماتے ہیں ؎

پیش اہل تن ادب بر ظاہر است　　　کہ خدا ز ایشان نہان و ساتر است

یعنی تن پرور اور ظاہر پرست (دنیادار) لوگوں کے سامنے تو صرف ظاہری ادب

ملحوظ رکھا جاتا ہے کیونکہ ان سے خدا تعالیٰ خود بھی مخفی ہے اور دوسروں کے دلوں کے بھید دل کو بھی ان سے مخفی رکھتا ہے لہٰذا ان کو کسی کے دل کا کیا معلوم، ان کے سامنے بیٹھے دل میں خواہ کچھ خیالات لاتے رہو انکو تو معلوم ہی نہیں ہوگا پھر فرماتے ہیں ؎

پیشِ اہل دل ادب بر باطن است　　زانکہ دل شاں بر سرائر فاطن است

یعنی اہل دل کے سامنے اپنے باطن کو ادب کا پابند رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے دل چھپی باتوں سے مطلع ہوتا ہے۔

چنانچہ اسکی شرح میں بحر العلوم لکھنوی فرماتے ہیں "کہ ایشاں مطلع بر سرائر اند" (بحر العلوم شرح مثنوی ج ۲ ص ۱۹۰) پھر فرماتے ہیں:

تو بعکسے پیش کوراں بہر جاہ　　با حضور آئی نشینی پائیگاہ

یعنی تم لوگ اس کے برعکس باطن کے اندھوں (دولتمندوں اور حکمرانوں) کے سامنے حصولِ جاہ و منصب اور فانی منفعت کے لیے تو حضورِ دل کے ساتھ آتے اور ان کے مقابلہ میں ادب سے نیچی جگہ پر بیٹھتے ہو۔

پیش بینایاں کنی ترکِ ادب　　نارِ شہوت را ازاں گشتی حطب

لیکن اہلِ بصیرت (علم و عرفان والوں) کے سامنے ادب چھوڑ دیتے ہو اسی لیے تو تم ہوس کی آگ کا ایندھن بنتے ہو مطلب یہ کہ اہل بصیرت کے حضور ادب نہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ملتی ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی خواہشات اور حرص و ہوس کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ عالم انوار سے کوسوں دور چلا جاتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات انبیاء علیہم السلام پھر ان کے وارثین علماء اہل سنت کے ذریعے امت کے عوام و خواص تک پہنچتی ہیں اور شیطان چونکہ بنی آدم کا دشمن ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ عنایاتِ الٰہیہ کی لوگوں تک رسائی ہو۔ اس لیے اسکی پہلے تو یہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگ علماء اہل سنت کے گرویدہ ہی نہ ہوں

بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ دور رہوں، اگر خوش قسمتی سے کسی کو ان سے محبت و عقیدہ ہو بھی گئی اور وہ ان کے حضور آنے جانے لگا تو شیطان اس کے باطن میں نفاق و خرابی، بدگمانی اور خیالاتِ فاسدہ اور طرح طرح کے وسوسے پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے عام حالات میں اور خصوصًا ایسے موقع پر مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالےٰ کی پناہ میں دیتے ہوئے شیطان کے اس شر سے محفوظ رکھیں اور اپنے باطن کو وسوسوں اور خیالاتِ فاسدہ سے بچائیں۔

وضو کا شیطان! شیاطین میں سے ایک شیطان، وضو پر بھی مقرر رہتا ہے لہٰذا نمازی کو چاہیئے کہ وضو کرتے وقت اپنے آپ کو اس کے مکر و فریب سے بھی بچائے چنانچہ حدیث میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنَّ لِلْوُضُوْءِ شَیْطَانًا یُقَالُ لَہٗ الْوَلْھَانُ فَاتَّقُوْا وَسْوَاسَ الْمَاءِ (مشکوٰۃ ص۴۷)

وضو کے لیے ایک شیطان امقرر رہتا ہے جسے "وَلْھَان" کہا جاتا ہے پس پانی کے وسواس سے بچو۔

"وَلْھَان" وضو کے شیطان کا نام ہے اور یہ "وَلِہَ یَلِہُ اور یَوْلَہُ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی غمگین ہونے اور غم کی زیادتی سے عقل کے چلے جانے اور شدتِ وجد سے حیران ہونے کے بھی ہیں، محیط المحیط میں ہے کہ

اَلْوَلْھَانُ شَیْطَانٌ یُغْرِیْ بِکَثْرَۃِ صَبِّ الْمَاءِ فِی الْوُضُوْءِ (ص۹۸۵)

"ولھان" شیطان ہے جو انسان کو وضو میں پانی زیادہ بہانے پر اکساتا ہے۔

اس لیے بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وضو میں بہت دیر لگاتے اور بار بار اپنے اعضاء پر پانی بہاتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ بہت سا پانی اور بہت سا وقت خرچ کرکے ہی اٹھتے ہیں یہ اسی شیطان کے اکسانے کا نتیجہ ہے اس لیے وضو کرنے کے شروع میں یہ دعا کرنی چاہیئے "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْوَلْھَانِ" "کہ اے میرے اللہ! میں "وَلْھَان" نامی شیطان سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔"

حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"اَلْوَلْھَانُ اَشَدُّ الشَّیَاطِیْنِ" (فتاویٰ حدیثیہ ص۲)

یعنی ولھان نامی شیطان سب شیطانوں سے زیادہ سخت شیطان ہے۔

ابلیس کا جھنڈا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کر:

مَنْ غَدَا اِلٰی صَلٰوۃِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَایَۃِ الْاِیْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَی السُّوْقِ غَدَا بِرَایَۃِ اِبْلِیْسَ۔

(مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

جو شخص صبح کو نماز کیلئے (مسجد) گیا وہ ایمان کے جھنڈے کے ساتھ گیا اور جو صبح کو بازار کی طرف گیا وہ ابلیس (شیطان) کے جھنڈے کے ساتھ گیا۔

امام طیبی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ کی جماعت اور شیطان کے گروہ کی مثال دی گئی ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص صبح کو اٹھتا اور مسجد کا راستہ لیتا ہے تاکہ نماز باجماعت ادا کرنے کی سعادت حاصل کرے گو یا وہ ایمان کا علمبردار ہے وہ ایمان کا جھنڈا اٹھائے جارہا ہے اور اسلام کے شعار (نماز باجماعت) کا اظہار کر رہا ہے اور مخالفینِ اسلام شیطانوں کے امر کو کمزور کر رہا ہے اور جو صبح کو اٹھتے ہی بازار کا راستہ لیتا ہے اور اور مسجد کی طرف نہیں آتا اور نمازِ صبح ادا نہیں کرتا وہ شیطان کے گروہ سے ہے وہ شیطان کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے اور اسی کا بول بالا کر رہا ہے اور اپنے دین کی توہین کر رہا ہے اور اسے کمزور کرنے کے درپے ہے۔

وسوسہ کا علاج

وسوسہ آنا دراصل وجودِ ایمان کی علامت ہے اور یہ مومن کے لیے امتحان و آزمائش ہے چنانچہ امام ابو یعلی اپنی مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے تین بار "اللہ اکبر" کہا پھر فرمایا "اِنَّمَا یُخْتَبَرُ بِھٰذَا الْمُؤْمِنُ" کہ اس کے ذریعے مومن کا امتحان لیا جاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الوسوسۃُ مَحْضُ الْاِیْمَان" کہ وسوسہ جو دِل میں پیدا ہوتا ہے خالص ایمان ہے یعنی ایمان کی نشانی ہے
(الکنز العمال ج ۱ صف ۲۵۰)

ایک اور حدیث میں ہے کہ خصوصًا نماز میں وسوسہ آنا دین کا حصّہ ہے "الوسوسۃ فِی الصَّلٰوۃِ مِن الدین صریح الایمان وَلَا تکاد تخطئ مومنًا۔" کہ نماز میں وسوسہ آنا دین کا حصّہ ہے واضح ایمان ہے اور تقریبًا کوئی مسلمان اس سے بچا ہوا نہیں۔
(کنز العمال ج ۱ صف ۲۵۱)

یعنی یہ چیز ہر مسلمان کو پیش آتی ہے۔ لیکن مسلمان اس سے خوش نہ ہوگا بلکہ جو نہی شیطان دل میں برے خیالات ڈالتا ہے تو مومن ان خیالات سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اپنے دِل کی توجہ کسی دوسری اچھی بات کی طرف کر دیتا ہے اور برے خیالات کو دِل میں قائم نہیں رہنے دیتا یہی اس کے ایمان کا ثبوت ہے مگر برے لوگ ان برے خیالات کو دِل میں ٹھیرا لیتے ہیں اور انہیں مزید پنپنے کا موقع دیتے ہیں اور انہیں مزید پنپنے کا موقع دیتے ہیں حتیٰ کہ ان برے خیالات کا تعلق اگر اعتقاد سے ہو تو اپنا عقیدہ برباد کر بیٹھے ہیں اور اگر ان کا تعلق اعمال سے ہو تو اپنا کردار خراب کر لیتے ہیں اور خدا و رسول کی ناراضگی کا نشانہ بننے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی نظروں میں برُے بن جاتے ہیں اس کے برعکس

صالحین اور نیک فطرت لوگ ان برُے خیالات سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج بھی ارشاد فرمایا ہے چنانچہ امام حکیم اور باوردی امام طبرانی کے حوالہ کے ساتھ حضرت ابو الملیح سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب تمہیں وسوسہ معلوم ہو تو اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اوپر اٹھاؤ پھر اپنی دائیں ران میں اس انگلی کو چھوؤ اور کہو "بسم اللہ"، پس بلاشبہ یہ عمل شیطان کے لیے چھری ہے نیز امام ابن السنی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلہ" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ :

مَنْ وَجَدَ مِنْ هٰذَا الْوَسْوَاسِ فَلْيَقُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثَلَاثًا فَاِنَّ ذٰلِكَ يَذْهَبُ عَنْهُ

(عمل الیوم واللیلہ ص)

جو شخص اس وسوسہ میں سے کوئی چیز محسوس کرے تو اسے کہنا چاہیئے "میں ایمان لایا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر" تین بار کہنا چاہیئے پس بیشک وسوسہ اس سے دور ہو جائیگا۔

الحمد للہ! حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی شفقت فرمائی کہ وسوسہ کا علاج شافی ارشاد فرمایا راقم خادم العلماء غلام سرور قادری سے کئی ایک سلسلے کے بھائیوں اور بہنوں نے وسوسہ کا علاج دریافت کیا تو راقم نے انکو یہی علاج بتایا چند دنوں کے بعد انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا اور وسوسہ کے دور ہو جانے کی خوشخبری سنائی کیوں نہ ہو یہ علاج اس مقدس ہستی کا ارشاد فرمودہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی کا معلم بتایا۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

خدائی محافظ اور شیطانی بلائیں !

امام دیلمی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے بہ سند خود روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنے گھر سے نکلتا ہو مگر وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق بلاؤں کے دو جانبوں کے درمیان (اس کے گھیرے میں) ہوتا ہے سب کے سب اپنے ہاتھ کو پھیلائے اور اپنے منہ کو کھولے ہوئے انسان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ محافظ فرشتے نہ ہوتے تو وہ بلائیں انسان کو ہلاک کر ڈالتیں اور محافظ فرشتے (ان بلاؤں سے جو انسان پر لپکنا چاہتی ہیں) کہتے ہیں "دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں (انہیں) اجازت دے پس محافظ فرشتے انسان سے ہر اس بلا و مصیبت کو دور کرتے رہتے ہیں جو انسان پر لوح محفوظ سے مقدر نہیں کی گئی اور فرشتے اس میں سے کسی چیز کو دور نہیں کرتے جو انسان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا اور اگر انسان ان شیطانوں کو دیکھ لے جو انسان کے ساتھ چھوڑے گئے ہیں تو اسے نرم زمین اور پہاڑ میں ایسے دکھائی دیں جیسے مردار پر مکھیاں جمگھٹا کئے دکھائی دیتی ہیں"

تین سو ساٹھ محافظ !

اور امام ابن الدنیا "مکائد الشیطان" میں اور امام ابن قانع و طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان کے ساتھ تین سو ساٹھ فرشتے مقرر کئے گئے ہیں جو انسان سے ہر اس بلا کو دور کرتے ہیں جو اس کے لیے مقرر نہیں کی گئی ان میں سے نو فرشتے آنکھوں کی حفاظت پر مقرر ہیں جو اس سے بلاؤں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے گرمی کے دن میں شہد

کے پیالے سے مکھیوں کو دور کیا جاتا ہے ۔ اور اگر وہ تم پر ظاہر ہو جائیں تو تم ان تمام شیطانی بلاؤں کو ہر پہاڑ اور نرم زمین پر ہاتھ پھیلائے اور منہ کھولے دیکھو گے، اور اگر انسان کو آنکھ جھپکنے کے وقت تک کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے تو اسے شیاطین اچک کر لے جائیں" (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۱)

انسان کو اس بات سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اندازہ لگا لینا چاہیئے کہ شیطان اور اس کے چیلے شیاطین انسان کے کس قدر دشمن ہیں۔ کہیں اس کے دل میں برے خیالات اور وسوسے ڈالکر اس کے باطن کو تباہ و برباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور کہیں ہاتھ پھیلائے اور منہ کھولے اسے جسمانی نقصان پہنچانے اور اچک لینے کی تگ و دو میں ہیں۔ اور اللہ رب العالمین کے لطف و کرم فرمائی اور بندہ نوازی کا یہ عالم کہ اسکی حفاظت کے لیے عالمِ بالا کے ملائکہ کرام کو مقرر فرما دیا اس کے باوجود اگر انسان، انسانیت دشمن شیطان کے کہنے پر چل نکلے اور اپنے ایسے رب کریم و مہربان کی ہدایات و احکام کو پس پشت ڈال دے تو اس سے بڑھ کر کفرانِ احسان اور کمالِ ناشکری اور کیا ہو گی؟

شیطان کی مایوسی امام طبرانی اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات میرے دل میں ایسا برا خیال آتا ہے کہ میں اسے زبان پہ لانے کی بجائے جل کر کوئلہ ہو جانے کو ترجیح دوں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ اَیِسَ اَنْ یُّعْبَدَ بِاَرْضِیْ هٰذِهٖ وَلٰكِنْ رَضِیَ بِالْمُحَقَّرَاتِ مِنْ اَعْمَالِكُمْ

(کنز العمال ج ۱ ص ۲۵)

خدا تعالیٰ کا شکر ہے شیطان اس بات سے مایوس و ناامید ہو گیا ہے کہ میری اس سرزمینِ حجاز پر اسکی عبادت کی جائے لیکن وہ تمہارے حقیر کاموں پر راضی ہوا (تم سے خلاف شرع کام کرائیگا مگر تمہیں شرک میں مبتلا نہیں کر سکیگا)

مطلب یہ کہ شیطان اس بات سے مایوس ہے کہ میری اس سرزمینِ حجاز پر (جسے اب سعودی عرب کہا جاتا ہے) اسکی عبادت کی جائے یعنی شرک کیا جائے۔ جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ اب اس سرزمین اقدس پر شرک نہ ہو گا۔

فرقہ وہابیہ کی تردید اس حدیث سے فرقہ وہابیہ کی واضح تردید بھی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ کے بعد آپ کی امت کے اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے اور سرزمینِ حجاز پر پھر شرک ہونے لگا تو بارھویں صدی میں ابن عبدالوہاب نجدی نے آکر سرزمین حجاز و عرب سے شرک کا خاتمہ کیا وہابیوں کا یہ خیال غلط اور حدیث مذکور کے قطعاً خلاف ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اس سرزمین پر دوبارہ شرک نہ ہو گا۔ بلکہ ایک اور حدیث میں تو اس

سرزمین کی قید بھی نہیں ہے اس میں ہے کہ نمازی مسلمان شرک نہیں کریں گے چنانچہ امام المحدثین والفقہاء امام احمد بن حنبل اپنی مسند شریف میں، امام مسلم اپنی صحیح مسلم اور امام ترمذی اپنی جامع ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

اِنَّ الشَّیْطَانَ قَدْ یَئِسَ اَنْ یَّعْبُدَہُ الْمُصَلُّوْنَ وَلٰکِنَّ التَّحْرِیْشَ بَیْنَھُمْ

(مسند امام احمد ج ص، صحیح مسلم ج ص، صحیح ترمذی ج ص)

بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ نمازی لوگ اسکی پوجا کریں لیکن ان کے درمیان دشمنی کرانے اور اکسانے میں مایوس نہیں ہوا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے نمازی ہرگز شرک نہ کریں گے لیکن وہابیوں پہ افسوس ہے جو حضور کی اس حدیث کے برعکس اہلسنت پہ جو بزرگان دین کے مزارات مقدسہ کی حاضری دیتے اور ان سے توسل کے قائل ہیں، شرک کا فتویٰ لگا کر اس حدیث کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لہٰذا سنیوں پر شرک کا فتویٰ لگانا وہابیوں کا نہایت ہی شرمناک فعل ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو صحیح العقیدہ سنی مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں وہ خود شرک و کفر میں مبتلا ہیں۔

امام شعبی سے روایت کیا (کنز العمال ج ۱ ص۲۵۵ تا ص۲۵۶)

قدرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس حدیث کی شرح میں شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ:

چوں سلیمان علیہ السلام این دعا کرد واین ملک را مخصوص بخود خواست کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخواست کہ اظہار تصرف کند درو ے وشکستگی در کارخانۂ ملکِ سلیمان افگند والا بالقوۃ تصرف قدرت وسلطنت وے صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ برآں بود وملک وملکوتِ جن وانس وتمامۂ عوالم بتقدیر وتصرف الٰہی عزوعلا درحیطۂ قدرت وتصرف وے بود۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص۴۳۲)

جب سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کر دی اور اس ملک و بادشاہت کو اپنے ساتھ مخصوص ہونے کی خواہش فرمائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نہ چاہا کہ اس میں تصرف کا اظہار کریں اور سلیمان علیہ السلام کے ملک و بادشاہت کے کارخانہ میں رخنہ ڈالیں ورنہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور آپ کی حکمرانی سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر تھی اور جن وانس کے ملک و ملکوت اور تمام جہان اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تصرف واذن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرۂ قدرت وحکمرانی میں تھے۔

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت وحکمرانی سارے جہان میں جاری وساری ہے اور خدا تعالیٰ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ قدرت واختیار سارے جہانوں کو محیط ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت واختیار سے باہر نہیں۔

عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگیں
اسکی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام (از اعلیحضرت علیہ الرحمۃ)

سوال و جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تصرف و قدرت میں جن تھے شیطان ، ابلیس نہ تھا اسے تو نفخۂ اولیٰ تک مہلت دی گئی ہے اور وہ آزاد ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فرمایا کہ اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا کا مجھے خیال نہ ہوتا تو میں اسے پکڑ کر مسجد کے ستونوں میں کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دیتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو باندھنے میں اسکی قیامت تک آزادی مانع نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ اس سے مراد اسکی مزید تذلیل تھی۔ اسے قتل کرانا یا مار ڈالنا مقصود نہ تھا اور یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی جنات پر ایسے ہی سلطنت و حکومت بخشی ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلکہ درحقیقت حضرت سلیمان اور دیگر انبیاء کے کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا عکس و پرتو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کمالات کے اصل منبع اور سرچشمہ ہیں چنانچہ امام بوصیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا ۔ فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِهٖ بِهِمْ (قصیدہ بردہ)

اور ہر وہ معجزہ جو بزرگ رسول لائے ۔ وہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی نور سے پہنچا

ایک سوال و جواب

پھر سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں ہے کہ شیطان اور اسکی اولاد تمہیں دیکھتی اور تم انہیں دیکھ سکتے ، تو شیطان حضور کو کیسے نظر آگیا ؟ اس کا جواب یہ ہے یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے اس عموم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس مستثنیٰ ہے کیونکہ قرآن و سنت کے مجموعہ دلائل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالاتِ ظاہریہ و باطنیہ کے اعتبار سے عام بنی آدم اور عام انسانوں سے مختلف ہیں اور نیز اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم جنوں اور شیطانوں کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ ہم

پر اور خصوصاً ہماری آنکھوں پر ہمارا مادہ کثیف یا عنصر کثیف یعنی مٹی کا غلبہ ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کا یہ مادہ غالب نہیں بلکہ مغلوب ہے جس پر آپکے انوار کا غلبہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضور کا سایہ نہ تھا اگر آپ پر بھی یہ مادہ غالب ہوتا تو آپ نہ دیکھ سکتے لیکن ایسا نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے (ابوداؤد شریف)

شیطان اور شیطانی کارنامہ والا تعظیم کا حقدار نہیں

شیطان کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے جو برتاؤ فرمایا یا فرماتا ہے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیطان یا شیطانی کارنامہ والے یعنی رسول اللہ، نبی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرنے والے شخص تعظیم و تکریم کے مستحق نہیں رہتے خواہ کتنا ہی علم و زہد والے ہوں بلکہ وُہ دوسروں کی نسبت زیادہ عذاب کے مستحق ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ دوزخ کے فرشتے انہیں بت پرستوں سے بھی پہلے پکڑیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہمیں بُت پرستوں سے بھی پہلے پکڑتے ہو؟ جواب ملے گا " لَیْسَ مَنْ یَعْلَمُ کَمَنْ لَا یَعْلَمُ " کہ جاننے والے اور انجان برابر نہیں۔ مطلب یہ کہ عالم کی عزت تو اس بنا پر تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے اور نبی کا وارث وہی ہے جو ہدایت پر ہو اور ہدایت قرآن و سنت و اجماع اور ائمہ دین کے قیاس و اجتہاد کی تعمیل کا نام ہے اور جو ان میں سے کسی ایک منکر ہے وہ ہدایت پر نہیں، گمراہی ہے اور جب گمراہی پر ہے تو نبی کا وارث ہُوا یا شیطان کا؟ بلا شبہ شیطان کا وارث ہوا تو اس کی تعظیم و تکریم اس وقت نبی کی تعظیم ہوتی جب وہ نبی کا وارث ہوتا لیکن وہ تو شیطان کا وارث ٹھہرا۔ اب اس کی تعظیم شیطان کی تعظیم ہوگی اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب عالم، کفر سے نیچے کی گمراہی میں ہو جیسے بدمذھبوں کے علماء۔ پھر اس کا کیا پوچھنا جو سخت کفر میں ہو۔ کہ انبیاء اور رسولوں کی شان میں بے ادبی کرنا سخت کفر ہے، اس کے مرتکب کو عالم دین جاننا ہی کفر ہے، پھر اسے عالم دین جان کر اس کی تعظیم کرنا اور زیادہ کفر، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے " کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ " کہ کفر کے بھی اوپر تلے درجے ہیں۔ اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ علم اس وقت نفع دیتا ہے جب دین کے ساتھ ہو ورنہ ہندو پنڈت یا پادری کیا اپنے حلقے کے عالم نہیں اور ابلیس کتنا بڑا

عالم تھا، پھر کیا مسلمان کے لیے اس کی تعظیم جائز ہے ؟ اسے تو معلم الملکوت کہتے ہیں یعنی فرشتوں کو علم سکھاتا، جب سے اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم سے مُنہ موڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کو جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا اسے سجدہ نہ کیا، جیسا کہ امام فخرالدین نے تفسیر کبیر میں لکھا، اس وقت سے ہمیشہ کی لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑا۔
اب اس کے شاگردانِ رشید، اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں کہ ہمیشہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور ہر رمضان میں مہینہ بھر اس کو زنجیروں میں جکڑے رکھتے ہیں پھر قیامت کے دِن اسے کھینچ کر جہنم میں دھکیل دیں گے، نہ اس کی عبادت کا لحاظ نہ توحید پرستی کا اعتبار نہ اس کے علم کی پروا اور نہ ہی اس کے استاذ ہونیکا خیال، غرض، ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی نے اسے کہاں سے گرا کر کہاں رسید کیا۔ یہ ایک بے ادبی کے کارنامہ کے انجام دینے کی سزا ہے جو اسے مل رہی۔

شیطان کے قدم (دوسرا کارنامہ)

شیطان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو اسلام پر مکمل طور پر عمل کرنے سے منع کرتا ہے جبکہ اسکی اولین کوشش ہوتی ہے کہ کوئی شخص سرے سے اسلام میں داخل ہی نہ ہو، اور اگر خوش قسمتی سے کوئی اسلام میں داخل ہوا بھی تو اسکی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ نام کا ہی مسلمان رہے۔ اسلام کے احکام پر عمل نہ کرنے پائے اور اگر زیادہ خوش قسمتی سے کسی کے دل میں عمل کا جذبہ پیدا بھی ہوا تو شیطان کوشش کرتا ہے کہ وہ اسلام کے احکام پہ کم از کم عمل کرے اور اسلام کے احکام کے ساتھ غیر اسلامی عمل بھی کرتا ہے تاکہ پورا مسلمان بننے کی بجائے ادھورا مسلمان بنے، جیسے آج کے بعض مسلمان ایک طرف تو کلمہ پڑھیں گے، کبھی کبھار نماز بھی پڑھ لیں گے مگر اپنے معاشرتی ماحول اور رہن سہن یا وضع قطع مغربی دنیا کی اختیار کریں گے، انگریزی اندازِ زندگی اپنائیں گے، گھروں میں نہ پردہ اور نہ حجاب بلکہ اسلامی احکام و روایات سے کوسوں دور زندگی گذاریں گے، کچھ باتیں اسلام کی عمل میں لائیں گے اور کچھ باتیں غیر اسلامی اور لادینی قسم کی، محض مغرب کے معاشرہ کی نقالی میں اپنائیں گے۔ یہ بھی شیطان ہی کا جال ہے جو اس نے ان لوگوں پہ ڈال رکھا ہے اور انہیں اپنے نقشِ قدم پہ چلا رہا ہے اور قرآن کریم نے بڑی سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ، إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔

اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

(البقرہ : ۲۰۸)

ابتداء اسلام میں بعض حضرات نے جو یہودیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے

تھے یہ سوچ کر کہ اسلام میں اونٹ کا گوشت کھانا ضروری نہیں جبکہ یہودی مذہب میں اس
سے پرہیز ضروری ہے، اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے تاکہ مسلمان بھی رہیں
اور یہودی مذہب کی رعایت بھی ہو یا اس کی کسی ایک بات پر عمل ہوتا رہے، اس پر
مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اسلام کے احکام کا پورا اتباع کرو۔

اسلام ہی سب کچھ ہے! اس آیت میں ہمارے ان مسلمان بھائیوں کے لیے
درسِ عبرت بھی ہے جو ہر وجہ سے اور مکمل طور پر اسلام کے احکام و نظریات کو تسلیم کرکے ان پر عمل کرنے کی بجائے
کہتے ہیں اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام
ہیں حالانکہ یہ قطعاً غلط اور بالکل غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسلام ہی ہمارا سب
کچھ ہے، یہ نعرہ لگانے والے دراصل ضعیف الاعتقاد یا دشمنانِ اسلام کے آلہ کار
ہیں یہ نعرہ متضاد چیزوں پر مشتمل ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ یہ لفظ مسلمانوں کی
نمائندگی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے یہ نعرہ اقوام
مغرب، یورپ اور امریکہ وغیرہ کو خوش کرنے کے لیے لگایا گیا ہے اور سوشلزم
ہماری معیشت ہے یہ نعرہ کمیونسٹوں کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے اور طاقت کا سرچشمہ
عوام ہیں یہ نعرہ ملک کے سادہ لوح عوام کو فریب دینے کے لیے گھڑا گیا ہے۔
اس لیے یہ سراسر فریب، دھوکا اور عیاری و مکاری پر مبنی نعرے ہیں۔ جبکہ حق اور
سچ بات یا صحیح نظریہ، یہ ہے کہ اسلام ہی ہمارا سب کچھ ہے۔ اسلام ہی دین ہے
اور اسلام ہی ہماری سیاست ہے اور اسلامی معیشت ہی ہماری معیشت ہے اور
طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے قرآن کریم میں ہے "اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا"۔
کہ بلاشبہ ساری قوتیں اللہ ہی کی ہیں (البقرہ: ۱۶۵)

شیطان کا تیسرا کارنامہ

شیطان تنگدستی کا اندیشہ دلاتا ہے (تیسرا کارنامہ)

یہ ہے کہ یہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کو تنگدستی اور مال کی کمی کا اندیشہ دلاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ:

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَاۤءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ (البقرہ : ۲۶۸)

شیطان تمہیں تنگدستی و محتاجی کا اندیشہ دلاتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے تمہارے ساتھ بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

یعنی شیطان کا کام یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص خدا تعالےٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان محتاجی اور تنگدستی کا خوف دلاتا اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر خرچ کرو گے تو تنگدست اور محتاج ہو جاؤ گے اس طرح وہ بخل کی عادت اپنانے اور خدا کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے جبکہ اللہ تعالےٰ بندوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اگر اسکی راہ میں مال خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انکی خطائیں معاف کریگا اور فضل فرمائیگا۔ لہٰذا دولتمندوں اور مال والوں کو تنگدستی اور محتاجی یا مال میں کمی کے واقع ہونے کے اندیشہ سے بالاتر ہو کر اس یقین کے ساتھ خدا کی راہ میں مال خرچ کیے جانا چاہیئے کہ اس سخاوت کی برکت سے اللہ تعالےٰ ان کے رزق میں مال میں اور کاروبار میں برکت دے گا اور انکی خطائیں بھی معاف کرے گا۔

شیطان، شراب اور جوئے اور عداوت کی ترغیب دیتا ہے۔

چوتھا کارنامہ

شیطان کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ وہ انسان کو شراب اور جوئے کی رغبت دلاتا ہے اور اس کے ذریعے دلوں میں بغض و عداوت ڈال باہمی جھگڑے کراتا ہے۔ چنانچہ

قرآن کریم کی سورۂ مائدہ آیت ۹۰ میں ہے کہ:

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ج فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝ (المائدہ: ۹۰)

شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔

یعنی شیطان شراب پلاتا ہے اور جوئے کے کام میں لگاتا ہے پھر ان بری عادتوں کے ذریعے آپس میں بغض و عداوت پیدا کر کے انسانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے اور ان برے کاموں میں لگا کر خدا کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتا ہے لہٰذا انسان ان لعنتوں میں پڑ کر ذکرِ الٰہی اور نماز کے اوقات کی پابندی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس آیت میں غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ شرابی اور جوئے باز انسان معاشرتی حقوق اور خدائی فرائض میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ گویا شراب اور جوا ایسی بری عادتیں اور ایسی بری عادتیں اور ایسی لعنتیں ہیں کہ ان میں پڑنے والا انسان نہ تو معاشرتی انسانی حقوق ادا کرتا ہے اور نہ ہی اپنے خالق و مالک خدائے ذوالجلال کے فرائض و حقوق سے عہدہ برآ ہوتا ہے لہٰذا ایک مسلمان کو ان بری باتوں کے قریب بھی نہیں بھٹکنا چاہیئے۔

جملہ شیطانیت جملہ شیطانیت یا شیطانی کارناموں کا جملہ مجموعہ کارہائے شیطانی جو قرآن میں مختلف مقامات پر مذکور ہیں یہ ہیں۔

۵۔ برائی کو نظروں میں بھلی کر کے دکھانا حتیٰ کہ برائی کا مرتکب یہ سمجھتا ہے کہ وہ اچھا کر رہا ہے۔

"اور شیطان نے ان کیلئے ان کے برے عملوں کو بھلے کر کے دکھایا (انعام ۴۳)

انفال ۴۸، نحل ۶۳، نمل ۲۴)

۶- شیطان، انسان سے برائی کا ارتکاب کراکر اُسے خدا و رسول اور لوگوں کی نظروں میں رسوا و ذلیل کر دیتا ہے۔ (الفرقان : ۲۹)

۷- شیطان انسان سے فضول خرچی کراتا ہے۔ فضول خرچی کا معنی "خدا تعالےٰ کی مرضی کے خلاف مال خرچ کرنا ہے۔ نیک کام میں جس قدر ہو سکے خرچ کریں، حتیٰ کہ سارے کا سارا مال و متاع بھی خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو اسے فضول خرچی نہیں، انتہائی درجہ کی سخاوت کہا جائے گا جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیدیا۔

۸- شیطان انسان کو کفر کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور ناشکری اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب کراتا ہے۔ (الحشر ۱۶)

شیطان اور بہتّر فرقے

: امام ابو الشکور محمد بن عبد السعید بن شعیب الکبشی السالمی تمہید میں لکھتے ہیں۔

إن ابليس غاص في البحر اربعين يومًا وغاص في البحر السابع و دخل في الهاوية ونظر في الدركات فرأى دركة كل قوم فاعطاه مالك عليه السلام بامر الله علما وعلامة واعطاه اثنتي وسبعين رقعة وعلى كل رقعة مكتوبًا اسم كل بدعة فجاء وبث فيهم ثم هذه ثنتان و سبعون تتشعب من ستة الرافضية والناصبية والقدرية والجبرية والمشبهة والمعطلة فكل صنف تتشعب على اثنى عشر فرقة فيكون اثنين وسبعين (التمهید شریف صہ ۱۹۵)

ابلیس (شیطان) نے دریا میں چالیس روز غوطہ لگایا اور ساتویں دریا میں غوطہ لگایا اور ھاویہ (دوزخ) میں داخل ہوا اور دوزخ کے درکات (درجوں) میں دیکھا تو اس نے گمراہ قوم و فرقے کو دیکھا بس دوزخ کے مالک (نگران فرشتے) نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے شیطان کو ایک جھنڈا اور نشانی دی اور اسے بہتر رقعے (لکھے ہوئے کاغذ) دیئے اور ہر رقعے پر ہر گمراہی کا نام لکھا تھا تو شیطان آیا اور ان کو (گمراہ فرقوں) میں پھیلا دیا پھر یہ بہتر فرقے چھ گمراہ فرقوں سے نکلتے ہیں (وہ چھ یہ ہیں) رافضیہ، ناصبیہ، قدریہ، جبریہ، مشبہہ اور معطلہ پھر ان چھیوں سے ہر ایک بارہ پر تقسیم ہوتا ہے (ہر ایک سے بارہ فرقے بنتے ہیں) بس یہ بہتر فرقے ہوئے۔

امام ابو الشکور سالمی علیہ الرحمۃ کی تحقیق کے مطابق ان بہتر گمراہ فرقوں کے اصول (بنیادی فرقے) چھ ہیں پھر ان میں سے ہر فرقے سے آگے بارہ بارہ فرقے بنتے

چلے گئے یوں انکی تعداد بارہ سے بہتر ہوگئی۔ لیکن سیدنا غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تہتر ۷۳، فرقوں کے اصول دس فرقے ہیں ایک اہل السنۃ والجماعت، خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجئہ، مشبہۃ، جہمیہ، ضراریہ، نجاریہ اور کلابیہ۔ پھر تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل سنت ایک فرقہ رہا ہے اور رہے لیکن دوسرے فرقے آپس میں منقسم ہو گئے، معتزلہ چھ، مرجئہ بارہ، شیعہ بتیس فرقے ہو گئے، جہمیہ، نجاریہ، ضرار اور کلابیہ، ہر ایک ایک ایک فرقہ رہے اور مشبہہ کے تین فرقے ہوئے یہ کل تہتر فرقے ہوئے پھر فرماتے ہیں کہ:

امّا الفرقۃ النّاجیۃ فھی اھل السنۃ والجماعۃ۔	بہرحال فرقۂ ناجیہ تو وہ اہل سنت وجماعت ہی ہے (باقی گمراہ ہیں اور دوزخی ہیں)

(غنیۃ الطالبین ص۸۵)

اور شرح مواقف میں ہے کہ "بڑے اسلامی فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، آٹھ ہیں، معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجئہ، نجاریہ، جبریہ، مشبہہ، اور ناجیہ۔ (اسکی مزید تفصیل ہماری کتاب "پروفیسر طاہر القادری کا علمی جائزہ" حصہ اوّل و دوم میں ملاحظہ فرمائیں)

حرفِ آخر

"اعوذ باللہ من الشیطن الرّجیم" ایک ایسا جامع کلام ہے کہ اسکی جس قدر تفسیر کی جائے کبھی ختم نہ ہو گی۔ راقم نے یہ سوچ کر اسی پر اکتفاء ضروری سمجھا کہ آگے سورۂ فاتحہ کی تفسیر بھی لکھنا ہے پھر سورۂ بقرہ کی، اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام سورتوں کی تفسیر لکھ کر قرآن کی نہایت ہی مدلّل تفسیر کا کام مکمل کرنا ہے اور یہ بہت بڑا اور از حد ضروری کام ہے جس کی اس دور میں بہت ہی ضرورت ہے۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ راقم کو مکمل قرآنِ کریم کی تفسیر لکھنے کی ہمت عطا فرمائے آمین۔

وصلی اللہ علےٰ حبیبہ سیدنا محمّد وآلہٖ وصحبہٖ اجمعین

مفتی غلام سرور قادری
گلبرگ لاہور